[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایسے ہی کوئی خاندان جاہل نا خواندہ ہے کہ میں پڑا ہے تو کسی کو ضرر نہیں ...
شخص جاہل بنے تو اچھے لئے اگر تو نہ بولیں اور حجروں میں چھپے رہیں پلنگ ...
... کسی کا ہیچ ہے۔ ایسے ہی ان جاہلوں کے گھر پڑے رہنے سے کسی کا نقصان
نہیں ... مقاموں پر بیٹھ کر اپنا وعظ سنانا چاہیں۔ ایسی سیاست ... پہنچ
... کے متحمل نہ ہونگے جب حضرت سلیمان نے اپنا معبد عظیم بنایا تو اس میں
... اور ناقص جانور کی قربانی کی ممانعت ہوئی۔ پس جب ناقص جانور کی قربانی
نا مقبول ہوئی تو ناقص جاہل کا وعظ کب مقبول ہو سکتا ہے۔ گو ہم کو پیشین گوئی
کا کیا فقط نہیں عطا ہوئی مگر ہم بغیر اسکے پیشین گوئی کرکے کہہ سکتے ہیں کہ علم اور
نیکی ... جب پیدا ہو جائیں گے تو وہ مذہب برباد ہو جائیگا جب مذہب میں
علم کی جگہ جہالت اور عقل کی جگہ ... قائم ہو جاتی ہے۔ تو مذہب نہیں رہتا بلکہ وہ
بدعتوں کا مجموعہ بن جاتا ہے جس میں ... انتشار ... اور ... نہیں ہوتا فقط

مذہب خوشی کا دشمن نہیں ہے

اس ... میں خوشی سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان کے جو قوا ہیں وہ درست ... کے
ساتھ مناسب ... پر مناسب طور پر استعمال کئے جائیں۔ اور ان سے جو نتیجہ ہماری
فہم میں آئے وہ خوشی ہے۔ وہ دونو جسم و روح سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اور وہ دونو
میں کامیابی کا نتیجہ ہے۔ لذائذ جسمانی بھی خوشی کا ایک حصہ ایک قسم کی خوشی ہے
پس اس معنی کے موافق یہ کہنا نہایت سچ ہے۔ انسان کے ... بھلائی خوشی ...
بھلائی کا خیال ہی اس میں خوشی ہے۔ مگر صرف لذائذ جسمانی اور شہوت ... کے معنی خوشی
کے لئے جائیں تو اس کا کہنا جھوٹ اور خیال ... مکروہ ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے مضمون کا
مقصد بھی معکوس ... جاتا ہے۔ جس ... ایسی دلائل ہوں کہ وہ انسان کو ...
... ہوں کہ انسان کی خوشی کا دشمن ہے تو وہ دلائل انسان کو دنیاوی تعلق ...

لذائذ سے محروم   تی ہیں اور ہمیشہ بیہودہ تلاش میں رہنا سکھاتی ہیں۔ دنیا کو ایک بدخا
بناتی ہیں۔ بہت زیادہ مذہب کو دل میں آنے سے وہ روکتی ہیں اور اُس کے برخلاف
تعصب پیدا کرتی ہیں اُن کے سبب سے آدمی کی عقل اور طبیعت دونو مذہب سے متنفر ہوتے ہیں
خدا نے انسان کی فطرت اس طرح بنائی ہے کہ کوئی قوت اور خواہش اسکو ایسی نہیں دی
کہ جس کے استعمال اور پورا کرنے کا قدرتی سامان اُس کے واسطے مہیا نہ کردیا۔ بھلا یہ کب
ممکن ہے کہ مذہب اس فطرت کی ضد بنایا جائے اور اُس کا مخالف اور متضاد ہو۔ بھلا اس سے
زیادہ کیا ظلم دنیا میں ہوسکتا ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں انسان کے روبرو رکھی جائیں اور
پھر وہ ترسایا جائے اور اُن میں کسی سے متمتع ہونے کا حکم نہ دیا جائے۔ شدت سے بھوکا
پیاسا ہو اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں رکھی جائیں مگر سب پر مُہر لگادی جائے اور اس سے
کہا جائے کہ یہ سب تجھے حرام ہیں ہرگز ہرگز اسکو چھونا اور چکھنا نہیں۔ اُس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی
اپنا ہی خون جگر پیا کرے۔ اور اپنے تئیں شکار کرکے کھایا کرے۔ غرض یہ باتیں سب انسان کی
مقتضائے فطرت و خلقت کے خلاف ہیں اسلئے خدا کی حکمت اور کرم و فضل کے برخلاف ہیں
پس جو شخص مذہب کو رواج اور رونق دینا چاہے اُسکا اول فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو
یہ سمجھائے کہ مذہب کسی عقلی خوشی میں خلل انداز نہیں۔ وہ ہرگز ہرگز اُس کو منع نہیں کرتا۔
کہ جو تمھاری عقل کے نزدیک خوشی ہو اُس کو ترک کردو۔ قاعدہ ہے کہ جب آدمی کا مزاج
علیل ہوتا ہے یا کسی اور تکلیف میں ہو تو اُس کو ایسی خوشی کے حاصل کرنے سے منع کیا جاتا ہے
جو اسکو اور زیادہ رنج پہونچائے۔ مذہب بھی ایسی خوشی کے حاصل کرنے کو منع کرتا ہے۔ کہ
ایک چھوٹی بُرائی کی برداشت بڑی بُرائی کی گزند رسانی کو روک دے۔ مذہب ہماری کسی
خوشی کو محاصرہ کرتا ہے نہ اُسپر حملہ کرتا ہے۔ ہاں وہ بعض اوقات خوشیوں کے بدلنے کا
حکم دیتا ہے یہ قسم نہیں دلاتا ہے کہ تم اِن کو چھوڑ دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسا مذہب جو انسان کی
خوشی کا دشمن ہو خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ خدا ظالم نہیں ہے کہ وہ کج دار و مریز کرے

کہ خدا نے انسان کی خلقت میں خواہشیں روشنیں پیدا کیں اور پھر ان کے پورے ہونے کے
سامان [illegible] پیدا کیے پھر اس سامان کو آنکھوں کے روبرو رکھ دیا اور خوشی
دینے والی چیزیں [illegible] بنائیں ان میں سے کسی کو ہاتھ لگایا اور کسی طرح کی ان سے خوشی حاصل
کی تو خدا کی عدالت میں انسان کی فطرت کے بالکل خلاف ہے کہ خدا آنکھیں اور روشنی دے
اور [illegible] کچھ نہ دیکھو ہمیں کان ملیں اور آواز پیدا کرے اور کچھ نہ سنو ہمیں

انسان کی زندگی اُسکے کاموں کے واسطے تھوڑی نہیں

طوفان نوح سے پہلے جو آدمیوں کی بڑی بڑی عمریں ہوتی تھیں یعنی ہزار ہزار برس ان
کو ملتا ہوا سنا ہے حضرت موسیٰ نے یہ تو بتایا نہیں کہ طوفان سے پہلے آدمی کس طرح
بود و باش کرتے تھے اور اپنا وقت کیونکر بسر کرتے تھے مگر آدمی کی درازی عمر کا حال لکھا اور
اسلئے ہم کسی طرح نہیں جان سکتے کہ طوفان سے پہلے انسان کا کیا حال تھا اور کیونکر
اپنی عمر بسر کرتا تھا مگر اسوقت جو دنیا کا حال ہے اور اس میں ہزاروں آدمی عمروں کے
[illegible] ہونے کے لیے روتے ہیں ان کو میں بتلاتا ہوں کہ اگر آدمیوں کی عمریں زیادہ
ہونے لگیں تو انسان کی خوشی کے حق میں بہتر ہوگا اُس کی وجہ یہ ہے اول دنیا
میں بالفعل انسانوں کی حالتیں مختلف ہیں ایک وہ آدمی ہیں جنکو دنیا کی بہت سی
نعمتیں ملی ہیں دوسرے وہ ہیں جن کو سوا اسکے کچھ نہیں ملا کہ نہایت محنت و مشقت سے
روٹی پیدا کریں یا اپنی عجز و فقر دکھا کر خیرات سے زندگی بسر کریں یا چوری یا
رہزنی یا سینہ زوری یا مکاری سے کسی کا مال مار لیں پس جو امیر ہیں اور دنیا کی نعمتیں انکو
حاصل ہیں وہ چند روز اپنی زندگی چین و آرام سے بسر کر سکتے ہیں مگر جو فقیر اور نادار
قیدی ہیں انکو محتاجی اور غریبی اور بیکسی اور قید خانوں کی زنجیروں میں طرح طرح
کی مصیبت [illegible] برس کی عمر [illegible] بہت دشوار اور بہت مشکل ہوتا ہے وہ
[illegible] غرض [illegible] ایسے آدمیوں کا جو اس کو نا عمری سے ہوا

کیونکہ ان کو دنیا کی کوئی چیز ایسی حاصل نہیں جسکے لئے وہ زیادہ جینے کی آرزو کریں دوم
دنیا کی حالت ایسی ہے کہ اس میں آدمیوں کے اندر جلد قائم مقام ہونے کی ضرورت ہے۔ دنیا خوب
آباد ہے۔ وہ اپنے باشندوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ مگر ان میں ایسے بہت تھوڑے ہیں جن کو
اس کا بڑا حصہ ہاتھ لگا ہو۔ اب فرض کرو کہ سو دو سو برس پہلے جتنے ہمارے باپ دادا
تھے وہ سب زندہ ہوں اور وہ اپنی تمام جائداد پر قابض ہوں اور اپنی قدیمی عزت و امارت
رکھتے ہوں تو اس صورت میں جو نسل اُن کی حال میں ہے اُس کی کیا حالت ہوگی
کیا اُن کو وہ امارت و ثروت جو وراثت یابی سے ہوتی ہے حاصل ہوگی۔ ہرگز نہیں۔
اگر پانچ چار سو برس اس طرح گذریں تو دنیا میں آدمیوں کی آبادی سمائی بھی نہیں اور
اگر مفلس محتاج ایک آدمی ہوتا ہے تو پھر پانچ سو سے کم نہ ہوں اگر دنیا سب میں برابر تقسیم کی جاوے
اور سارے آدمیوں کی ایک ہی حالت ہوتی تو پھر ایسی صورت میں خوشحال و فارغ البال
آدمی جو درازی عمر کا شوق نہایت رکھتے ہیں ہرگز وہ یہ تمنا نہ کرتے۔ نوجوان کفایت شعار وارث
جب یہ جانتے تین چار سو برس بعد کہیں ورثہ ترکہ ہاتھ لگے گا تو وہ کفایت شعاری کو
سلام کرتے اور روپیہ کو بالکل تباہ کر دیتے۔ اب ان کی کفایت شعاری اس خیال سے ہوتی ہے
کہ ہمارے باپ عنقریب قبر میں جائینگے اور سب کچھ ہمارے لئے چھوڑ جائینگے۔ ورنہ اگر وہ
یہ جانتے [illegible] ہم [illegible] ریاست اور ثروت [illegible] تو وہ [illegible]
رفتہ رفتہ خرچ میں اڑانا شروع کر دیتے اور وہ تباہ [illegible] اپنی کو تباہ کر دیتے
پھر وہ ایسی زندگی نہیں چاہینگے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا [illegible] نے جو [illegible] عالم کیا ہے انکی
شکایت اس سبب نہیں کرینگے کہ ہمارے ماں باپوں کی [illegible] ہیں عمروں کے
[illegible] پس بعض ذہین آدمی الحاد سے خالی نہیں [illegible] اگر عمریں زیادہ ہوتیں تو
[illegible] نہیں کہ الحاد کا کیا زور رہتا۔ سوم دنیا بری [illegible] ایک [illegible] آدمیوں کو
[illegible] ستر برس نیکی کے ساتھ کاٹنے میں مشکل ہوتے ہیں [illegible] سات آٹھ سو

زیادہ ہوتیں تو معلوم نہیں کیسی خرابی مچتی - یہ جو عمریں چالیس پچاس برس کی ہوتی ہیں
ان میں تو بیس برس کے عرصہ میں آدمی اپنی برے کاموں اور شرارتوں کا ایک انبار اکٹھا
کر لیتا ہے اگر زیادہ عمر ہوتی تو معلوم نہیں گناہوں کے کیا پشتارہ کے پشتارے پیدا
ہوتے طوفان سے پہلے جو عمریں آدمی کی سیکڑوں برس کی ہوتی تھیں اُن میں انسان
نے بدکاری اور زشت افعالی پہلے درجہ کی یہاں تک اختیار کی کہ خداتعالیٰ نے خفا ہو کر
سب کو سوا حضرت نوح کے خاندان کے طوفان سے نیست و نابود کر دیا - اور اُس نے
نوح سے وعدہ کیا کہ پھر میں دنیا کو طوفان سے نابود نہیں کرونگا - اِس لیے اُس نے آدمی
کی عمریں بہت کم کر دیں کہ نہ زیادہ عمریں ہونگی نہ گناہوں کا طوفان برپا ہوگا جسکے
سبب مجھے پھر طوفان سے اُن کو غرق کرنا پڑے گا غرض عمروں کے گھٹنے بڑھنے سے
انسان کے گناہ کم و بیش ہوتے ہیں - انسان کے واسطے دنیا کا انتظام اس سے بہتر
نہیں ہو سکتا آدمی کی عمر تھوڑی ہے -

طمع

طمع ایک ڈراونا دیو ہے جسکے سو ہاتھ ہیں وہ سب ہاتھوں سے دولت سمیٹ سمیٹ کر لے رہا ہے
اکٹھی کر رہا ہے مگر ایک ہاتھ سے بھی کچھ دیتا نہیں طمع ایک ایسی عجیب چیز ہے کہ ساری دنیا
میں کوئی شے اُسکے مشابہ سوا قبر اور موت کے ہو نہیں سکتی یہی دو چیزیں ایسی ہیں کہ دنیا
کو لوٹتی ہیں اور جس کو لوٹتی ہیں اُسکو پھر کچھ نہیں دیتی ہیں - ورنہ دنیا کا بیوپار یہ ہے کہ
جو قرض لیتا ہے وہ دیتا بھی ہے ساری دنیا میں لین دین برابر ہی رہتے ہونگے طمع بھی
ایک قبر ہے کہ جس میں طامع کی تمام خواہشہائے نفسانی دفن ہوتی ہیں - مگر یہ قبر برخلاف
اور قبروں کے لبریز ہونے سے اور زیادہ فراخ ہوتی ہے اور جتنی مدت اُس پر گذرتی ہے
اُس کی کہنگی کو تازگی ہوتی ہے طمع کے لیے ایک بڑا عذر بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کے
سبب سے دولت اِس لیے جمع کی جاتی ہے کہ وہ ضرورتیں رفع کرے مگر جب دولت جمع ہو جاتی ہے

تو یہ نہیں دینے میں آتا کہ وہ کوئی ضرورت رفع کریں - وہ تو کسی خرچ میں نہیں آتیں تھوڑے
تھوڑے خرچوں میں خست کرنے سے ذلت اٹھانی پڑتی ہے اگر سو پچاس روپے سال
خرچ کر دیا جائے تو وہ ذلتیں نہ اٹھائی جائیں بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ ہم زندگی اچھی طرح
اس کے سبب بسر کرینگے اگر ان کو سو روپیہ سال کی آمدنی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں
ہماری ضرورتیں رفع نہیں ہوتیں وہ یہ نہیں جانتے کہ جتنی جائداد اور آمدنی بڑھتی ہے اتنی
ہی ضرورتیں بڑھتی ہیں ہرن زخمی ہو کر بھاگے تو زخم اس کے ساتھ رہتا ہے - وہ بھاگنے سے
تو نہیں جاتا رہتا - جائداد بڑھنے سے انکی ضرورتیں نہیں رفع ہوتیں - جو شخص دو سو روپیہ
میں اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے - وہ طمع کے سبب اپنے تئیں چار سو روپیہ کی آمدنی پیدا کرنے
کے لئے دوسرے کا غلام بناتا ہے حکیم سنیکا کا قول ہے - طمع ایسی بھوک ہے کہ اس کا پیٹ
کسی فیاضی سے نہیں بھرا جا سکتا - جن چیزوں کو اپنا غلطی سے ہم کہتے ہیں ان کے خزانچی
ہم ہیں - پس خزانچی کو اس بات پر رونا نہیں چاہیئے کہ مالک نے مجھے بہت روپیہ نوکروں
کو وظیفہ کے لئے نہیں دیا بلکہ جو اس کو دیا گیا ہے اسی کو اچھی طرح تقسیم کر دے تاکہ مالک
بھی خوش ہو اور خلق بھی برا نہ کہے - گڈریہ کو رونا نہیں چاہیئے کہ مالکوں نے اس کو بہت
بھیڑیں چرانے کے واسطے نہیں دیں -

(۲) طمع کی دیوانگی - طمع ایسی برائی نہیں ہے جیسی کہ وہ افسوس کے قابل دیوانگی ہے - اور جب
اس کا علاج نہ ہو سکے تو پوری دیوانگی ہے - جن دواؤں سے دیوانہ کتے کا علاج ہو سکتا ہے
انہیں سے طامع کا علاج ہو سکتا ہے سوا اسکے کوئی علاج نہیں ہے - براہین روشن -
حکمت فلسفہ عقل - مذہب - کچھ اس پر اثر نہیں کرتے - وہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کی
محبت کے واسطے ہی پیدا ہوا ہے کوئی چیز اسکو روپیہ کی برابر عزیز نہیں ہوتی - اسکو
ابتدا عمر سے یہ شوق دامن گیر ہوتا ہے اور اسکی عمر کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے - متوسط عمر میں
وہ بہت بڑھ جاتا ہے اور بڑھاپے میں تو ساری خواہشیں اسکی اس میں محو ہو جاتی ہیں خدا

رہا وہ مذہب اعتبار سے بُرا ہے اور مہذب قوموں کے لحاظ سے ناشائستہ حرکت ہے
(۲) حکمت و فلسفہ بڑی شد و مد کے ساتھ انسان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے دل کو سخت
پتھر بنائے جس پر رنج و اندوہ کی جونک نہ لگ سکے مگر انسان ایسا وحشی نہیں ہے کہ اُنکے
یہ حکم چل سکے جب آدمی حالت یہ کوشش کریگا کہ میرا دل ایسا سخت ہو جائے کہ
اسمیں غم نہ اثر کرے تو اُس کے ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ خوشی کا اثر بھی عمل پیدا نہو
پس جب دل پر خوشی و رنج کے اثر باقی نرہے تو اُس کی زندگانی کی تربیت و تعلیم درہم
برہم ہوگئی - اُسکے اخلاق کی ساری بہار تو نور سرور اور تاریکی غم کے آنے جانے پر ہے
جب وہ نہ تاریکی سے روشنی میں آسکا اور نہ روشنی سے تاریکی میں جا سکا تو لطف
زندگی کیا پائیگا - مگر مذہب اُن کے خلاف حکم کرتا ہے کہ سنگدل نہ ہو صابر و متحمل
ہو - یہ انسان کی فطرت کے خلاف میں حکم نہیں دیتا کہ شادی و غم دونو سے محروم ہو
(۳) غم کے اثر بھی مختلف آدمیوں پر مختلف ہوتے ہیں غریب آدمیوں کے رنج جلد رخصت ہو
ہیں مگر بادشاہوں کے اندوہ نہیں جاتے بیچارہ ہرن جب زخمی ہوتا ہے تو وہ ایسی
گھاسوں میں جا کر لوٹتا ہے کہ اُس کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں - مگر جنگل کا بادشاہ شیر جو
زخمی ہوتا ہے تو غصے ہو ہو کر پنجے سے اپنے زخم کو نوچتا ہے - اور اسکے شرماتا ہے کہ
خاک جیسی ذلیل چیز میرے خون کو پیے - اسلئے وہ ہوا میں اوپر چڑھ جاتا ہے
(۴) غم انسان کا بڑا دشمن ہے اُس کو دل میں ہنسنے نہ دو جلدی نکالو کر اور عمدہ خیالات
اُسکی جگہ لاؤ جتنی چیزیں کہ ترقی پاکر مضر ہوتی ہیں - انکی ابتدائی پیدائش میں فساد
ہوتا ہے جب دل کے جذبات اعتدال کی حد سے پرے قدم نکالتے ہیں تو وہ بہت برے
نتیجے پیدا کرتے ہیں انکی ابتدا ہی میں شرارت سمجھنی چاہئے جب وہ بہت سے جمع ہو کر ان
شرارتوں سے آدمی کے قلب پر حملہ کرتے ہیں تو عقل کی سلطنت کو پامال کر دیتے ہیں
اور انسان کے بیڑے کو ایسے سمندر میں ڈال دیتے ہیں کہ جہاں اُنکو کہیں ٹھہرنے کی جگہ

ہنیں لیتی ضعیف القلب آدمی ایسے مضطرب ہوجاتے ہیں کہ کہیں تحمل بار انہیں کرسکتے
(۵) اندوہ و الم دل پر ایک پتھر ہوتا ہے جو دوسرے کی ہمدردی کے سہارے سے ہلکا ہوجاتا
آدمی غیروں کے غم پر صبر کرتا ہے مگر اپنے غم پر نہیں غم جو انسان کے لیے ہوتا ہے وہ
نبض کی ہر حرکت پر کم ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک حرکت نبض کی ایسی ہوتی ہے کہ جس پر اسکا
خاتمہ ہوجائیگا جتنا جلد اُس کو آزاد و اتنی ہی تمہاری دانائی ہے۔ اُس کے بعد خوشی نہیں
آئے گی جو رنج و الم آدمی کے چہرہ پر ہوتا ہے وہ دلی رنجوں کا سایہ ہوتا ہے۔ اصل رنج
وہی ہوتا ہے جو دل کو جلائے نہ وہ جو آنسو والے گالوں کو ٹھنڈا کرے۔

عادت و مشق

انسان کی خلقت میں ایسی قواء اور قابلیتیں خداوند تعالیٰ نے رکھی ہیں کہ ان کا کام
میں لانا انسان کو تکمیل کی طرف لے جاتا ہے۔ اور وہ کام بآسانی کرا دیتا ہے جنکا کرنا
پہلے خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ ایک متوسط العمر گنوار جسکا بدن سب طرح سے سڈول ہو
اور جوڑ بند خوب مضبوط ہوں اور جسکی جسمانی خوبصورتی بالکل اشرافانہ ہو اُس کو نہایت
دشوار ہو کہ وہ اشراف پہلے ما لس کی زبان بولے اور اُس کی وضع و طرز کو برتے۔ ایک
ناچنے والے کے پاؤں اور باجا بجانے والے کی انگلیاں بے اختیار حرکات موزوں
بغیر سوچے تعریف کے قابل کرتی ہیں۔ ابھی ان دونوں سے کہے کہ وہ آپس میں اپنی اپنی قبیل
بدل لیں اور ایک دوسرے کا کام کریں تو ان سے ہرگز نہ ہوگا۔ بہت سی کوششیں اور
تکلیفیں اُن کی رائگاں جائیں گی اور مدتیں چاہئیں کہ وہ ایک دوسرے کے کام میں کامیاب
ہوں۔ نٹوں اور قلابازوں کو دیکھو کہ وہ کیا کیا اپنے جسموں سے حرکت کرتے ہیں کہ سب
دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں یہی حال تمام کاریگروں کا ہے۔ مگر یہاں انہیں کاموں
کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کے تماشے لوگ روپیہ دے کر دیکھتے ہیں ان سب کاموں میں جو
تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں مشق و عادت و محنت کی کرامات ہیں ان کا جسم ایسا ہی ہے

جیسا کہ تعجب نے والے تماشائیوں کا ہے ۔

انسان کے جو جسم کا حال ہے وہی اُس کے ذہن کی کیفیت ہے۔ اس کو جو عطیات الٰہی دیے
گئے ہیں وہ ان ہی کی مشق سے اپنی خوبیاں اور نیکیاں دکھاتا ہے ۔ اپنا کمال جو
دکھلاتا ہے وہ اُسکی فقط مشق اور بار بار عمل کرنے کا نتیجہ ہے جسکو عادت کہتے ہیں۔ بعض آدمی
بذلہ سنجی و ظرافت میں بعض نقل و حکایات کی تصنیف میں بعض قصہ و افسانہ سازی میں
مشہور اور نامور ہوتے ہیں۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُن کی طبیعت ہی کی لیاقت اور
جودت ہے کہ وہ یہ کمال دکھلاتے ہیں اُنہوں نے کچھ ان فنون کو علم کی طرح نہیں سیکھا
وہ کچھ قواعد و اصول جاننے سے ان کے نہیں آگاہ ہوئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ
خوش قسمتی سے اسی کام میں مشغول ہوئے جس کے لئے اُن کی طبع موزوں تھی۔ اسی
اُن کی اول ہی دفعہ اُس کام کے کرنے میں تعریف ہوئی اور اس تعریف سے اُن کو شوق
ایسا بڑھا کہ اُنہوں نے اُس کو بار بار کرنا شروع کیا۔ اور ہمہ تن اپنے خیالات کو اسی طرف
متوجہ کر دیا۔ اور خوب سعی کی کہ اُن میں یہ جوہر پیدا ہو گیا جسکو وہ خود بھی نہیں جانتے کہ
کیونکر پیدا ہوا طبیعت سے بالکل یہ امر جو منسوب کیا جاتا ہے اُس کا بڑا حصہ عادت سے منسوب
کرنا چاہیے ۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اول اول طبیعت ہی کی مناسبت اس کام کی
تحریک کرتی ہے مگر بغیر مشق اور عمل کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ مشق ہی کا زور ہے کہ وہ
ذہن میں قابلیتیں پیدا کر دیتا ہے کہ جس سے وہ کسی کام میں کمال کر کہلا دیتا ہے۔ بہت سے
آدمی ایسے ہیں کہ اُنکی قابلیتیں تجارت میں صرف ہو رہی ہیں بہ سبب کم مشقی کے شاعری
میں ترقی نہیں کر سکتے ۔ ہم یونیورسٹی اور کورٹ میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی معاملہ میں مختلف
دلائل و براہین پیش ہو رہی ہیں اگر ایک آدمی کالج سے اُٹھ کر کسی گاؤں کی پنچایت میں چلا
جائے تو وہاں دیکھے گا کہ ذہانت اور یہی کام کر رہی ہے۔ ہر انسان کو قسمت سے جدا جدا
کام ملا ہے ۔ ہر کاریگر و ہر مزدور ۔ کالج کے طالب علموں اور اور آدمیوں کی فہموں میں بہت فرق

اور اختلاف جو معلوم ہوتا ہے وہ ایسا قدرتی قابلیتوں اور قویٰ کے سبب سے نہیں واقع
ہوا جیسا کہ عادات کے سبب سے۔ کوئی شخص نہ عمدہ تقریر کر سکتا ہے۔ نہ استدلال جب تک ان دونوں
باتوں میں مشاق نہ ہو خواہ ہزار کتابیں منطق کی اس کو گھول کے پلا دو۔ اور لقمہ بنا کر
منہ میں رکھ دو مگر صرف قاعدوں کے سننے سے اور ان کو حافظہ میں جمع رکھنے سے نہیں
ہوتا مگر مشق اور عادت وہ ہے کہ بغیر قواعد کے اچھے کام کرتی ہے جیسے کہ فقط تصویر
اور ناچنے کے قواعد سننے سے مصور اور رقاص نہیں ہو سکتا ایسا ہی قواعد اور منطق
فلسفہ سننے سے مقرر اور دلیل کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کی فہم اور تمدنوں میں جو
عیب اور نقص و ضعف ہوتا ہے اس کا سبب ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذہانت کو ٹھیک طور
استعمال نہیں کرتے۔ اور ناحق الزام طبیعت پر لگاتے اور کہتے ہیں کہ ہم میں اسکی قابلیت
نہیں ہے لیکن اصل غلطی یہ ہے کہ ترقی میں قصور کیا ہے۔ بہت سے آدمی دیکھو گے کہ وہ معاملات
دنیا میں بڑے باخبر اور ہوشیار ہیں مگر مذہب کا ذکر ان سے چھیڑے تو پرلے درجہ کے
احمق معلوم ہونگے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ انھوں نے اپنی ذہانت کو ٹھیک طور پر استعمال نہیں کیا
(۲) عادات جسمانی کا ظہور اعمال خارجی سے ہوتا ہے۔ عادات روحانی کا ظہور اندرونی
اصول عملی کی سعی سے ہوتا ہے یعنی جو اصول انسان کے دل میں عمل کرتے ہیں جیسے اصول
طاعت۔ دیانت۔ عدالت۔ سخاوت۔ اون کے موافق عمل کرنے سے اچھے کاموں کے کرنے
کا قصد کرنا درست اعمال ہے۔ ان سب کاموں کے کرنے سے نیک عادتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن نیکی
کا کرنا صرف خیالی یعنی تصور میں اس کا نقش جمانا اور اس کی نسبت باتیں گھڑنی ضروری
نہیں اس طرح کی عادت ڈالنے سے دل اور سخت ہو جاتا ہے اور پھر نیکی کا اثر دل پر بہت ضعیف
ہو جاتا ہے اور صرف خیالات ہی کی عادت سے اخلاق ہی کا اثر کچھ نہیں رہتا۔ جب ہم صرف
نیکی کا خیال ہی کیا کریں اور اس کے ساتھ عمل نہ کریں تو اس خیال کی تکرار دل پر اثر کو کم
کر دے گی۔ قاعدہ ہے جو خیال بار بار آتا ہے اس کا اثر دل پر کم ہو جاتا ہے۔ خوفناک جانور

یہ سب پڑھنے کی عادت سے رحم کم ہوجاتا ہے۔ اور آدمیوں کے مرنے کی دیکھنے کی عادت
اپنی موت کا خیال کم ہوجاتا ہے۔ ماہر اوپر کے بیان سے یہ دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک
کہ اعمال کے بار بار متواتر کرنے سے عادت پیدا اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور خیالات کے بار بار
متواتر کرنے سے انکا اثر دل پر کم ہوتا ہے۔ غرض کہ جو چیزیں کہ عمل میں تحریک پیدا کرتی یا
خیالات دلاتی ہیں انکا اثر عادت سے ضعیف ہوجاتا ہے مگر عمل اثر مستحکم۔ مثلاً طبیب جب مریض
دیکھتے ہی اُس کے مرض کے علاج میں ہمتن مصروف ہوجاتا ہے اسکے دل پر مرض کا اثر
جو محرک علاج ہے عادت سے ضعیف ہوجاتا ہے۔ مگر عملی عادت جو علاج کرنے کی ہے وہ مستحکم ہوتی
ہے۔ مثلاً طبیب پاس کوئی آئے تو عادت دل میں اسکی حالت دیکھکر رحم کم پیدا کریگی
مگر علاج پر جلد مستعد کریگی۔ غرض جتنی عملی عادت مستحکم ہوتی ہے اتنی خیالی عمل دل پر
ضعیف ہوتے ہیں اور عملی عادتیں مشق اور بار بار کرنے سے ہوتی ہیں۔

(۳) بری عادتیں بڑی بیچیدہ ہوتی ہیں بڑی محنت و مشقت سے مدتوں میں چھوٹتی ہیں بہت
رنج ان کے دور کرنے میں اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اپنی خواہش کے خلاف کام کرنا سرکش
ارادوں کو روکنا پڑتا ہے نیکی کرنے کی جگہ جو ہاتھ سے جاتی رہے وہ جب حاصل ہوتی
ہے کہ دل میں وہ طبیعت ثانیہ بنے۔

(۴) ہر شخص کا تجربہ اس کو یہ سکھاتا ہے کہ عادت ایک قسم کی طبیعت ثانیہ ہے اسکے موافق
ہم کام اپنی خواہش سے شوق سے اطمینان سے خوشی سے کرتے ہیں وہی ہم سے ہمارے
امر انتخاب کراتی ہے اور اس میں استقلال پیدا کرتی ہے۔ جن چیزوں سے خواہ ہماری عادت
خواہ ہماری طبیعت متنفر ہو دونوں صورتوں میں ہم یکساں اُسکے مخالف ہوتے ہیں مختصر
یہ ہے کہ انسان پر عادت بالکل قابض و متصرف ہے کہ بغیر مشقت شاقہ اور محنت نہایت کے
نہ اُس کی قوت کا مقابلہ کرسکتے ہیں نہ اُس کے تسلط کو ہٹا سکتے ہیں نہ اُس کی جڑ اکھیڑ سکتے
ہیں نہ اُسے ہلا سکتے ہیں۔ یہ سب باتیں گناہ کرنے کی عادت میں ظاہر ہیں یا ایسا ہی حال

جیسی کی عادت کا ہی کہ اس میں بھی ایسا زور ہوتا ہے اور اس کی تائید غیبی بھی ہوتی ہے کہ
اُسکا بھی ہلانا سرکانا ہٹانا نہایت دشوار ہے

(۵) انسان پر جو عادت کو قبضہ اور تسلط حاصل ہے وہ کسی تشبیہ سے بیان نہیں ہو سکتا ہے اور
اُس کے سبب یہ کہانی اگر سچ ہو تو تعجب نہیں کہ ایک کنجوس کو روپیہ کمانے کی ایسی عادت تھی کہ
کہ وہ لوگوں کو فریب بتاتا تھا۔ یہاں تک اُس کی عادت بڑھی کہ وہ اپنے تئیں فریب دینے لگا
ایک دن اپنی جیب میں ایک اشرفی کو نکال کر ایسا خوش ہوا کہ جیسے مفت ہاتھ لگی ہے
اُسکو خوشی خوشی تھیلی میں جمع کر لیگیا۔

(۶) بشریت کی فطرت کا ایک عمیق قانون عادت ہے اس سے بعض حالتوں میں ہماری بڑی تقویت
ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں بڑا ضعف۔ ایک رستہ پر آدمی چلے جس پر کبھی ایسے تماشے
نظر آئیں کہ پھر دوبارہ اسی پر چلنے کو جی چاہے۔ بار بار اس رستہ پر چلنے سے اس کو بہ نسبت
اور رستوں کے اس رستہ پر چلنا آسان معلوم ہوگا۔ ہمارے قانون کے اصول عادت ہی پر
مبنی ہوتے ہیں عادت اور تقلید یہ دو ہی چیزیں ہیں جو ہم سے سارے کام کراتے ہیں خواہ
وہ عملی ہوں یا علمی ہوں

(۷) جو شخص بد عادتوں کے پھندے میں پھنس کر اُسکا مغلوب اور محکوم ہو جائے اُس کو چاہئے کہ
وہ اس قید سے اپنے تئیں آزاد کرے نہیں تو اُس کو کوئی دانائی اور خوشی نہیں حاصل ہوگی
جو بُری عادتوں کے اثروں کے مطیع چلے جاتے ہیں وہ وقت پر ہوشیاری اور دانائی سے
اس موذی کے پنجہ سے بچ کر بھاگ تو سکتے ہیں مگر اس کو گرفتار نہیں کر سکتے۔

(۸) عادتیں ایسی نامعلوم آدمی کو پڑ جاتی ہیں جیسے کہ جھیلوں اور تالابوں کے پانیوں سے
دریا اور دریاؤں کے پانی سے گنڈ نامعلوم بن جاتے ہیں۔

(۹) برف کے گالے جب پڑتے ہیں تو علیحدہ اچھی طرح نظر نہیں آتے مگر وہ اکٹھے ہو کر ایک
برف کا ڈھیر لگا دیتے ہیں پس اسی طرح زندگی کے روز مرہ کے کام بعد ایک دوسرے کے

اس طرح نامعلوم جمع ہوکر عادت پیدا کر دیتے ہیں برف کے ڈھیر پر اگر ایک برف کا گالا
آن کر پڑے تو وہ اس میں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر جب اسکی طغیانی ہوتی ہے اور وہ پہاڑ پر سے
ڈھلک کر نیچے اترتے ہیں تو ترائی کے باشندوں کو مغلوب و سرگرداں کرتے ہیں پس اسی طرح
آدمی کا ایک کام تو اسکی خصلت کو محسوس نہیں ہونے دیتا مگر جب انسان کی جذبات قلبی
یعنی شرارتوں کو جوانی میں عادات نے پیدا کی ہیں کبھی کبھی کر کے حملہ کرتی ہیں تو وہ راستی اور
نیکی کو پامال کر دیتی ہیں۔

(۱۰) انسانیت کے واسطے کلنک کا ٹیکا بد عادتیں ہیں جس شخص کو عقل سلیم ہے وہ ان سے
بچے گا اس کو یہ یقین ہو کہ وہ آدمی اور خدا دونوں سے چھپی ہیں گی اور کوئی سزا بھی ان کے
واسطے عقبیٰ میں نہیں ملے گی۔

(۱۱) آدمی کو چاہئے کہ وہ ابتدائے عمر سے بری عادت سے گریز کرے کیونکہ پیپہ میں جو
عرق پہلے بھر جاتا ہے اسکا رنگ توں تک اسمیں رہتا ہے۔

(۱۲) عادت کے باب میں چند احکام ہم لکھتے ہیں جن کے موافق عمل کرنے سے دانشمند
قاعدوں کی مشق سے عادت پیدا کریگا۔ اول ہمکو چاہئے کہ ابتدا ہی میں نہ کسی بہت مشکل
کام کی نہ بہت سہل کام کی عادت پیدا کرنے کا قصد کریں اسلئے کہ جب ہم اپنی بطالت
یا ہر کسی کام کو شروع کرینگے تو جو طبائع ایسی ہیں کہ وہ اپنے اوپر بہت بھروسہ نہیں
رکھتیں وہ مایوسی سے مردہ دل ہونگی اور جو طبائع اپنے اوپر بہت اعتماد کرتی ہیں انکیں
یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ اس کام کرنے کا وعدہ کریں گی جنکو پورا نہیں کر سکتیں اس سے
کسالت ان میں پیدا ہوگی غرض دونوں طرح کی طبیعتوں اور مزاجوں میں تجربہ کرنے سے
مایوسی پیدا ہوگی جس سے دل حیران پریشان افسردہ آزردہ ہوگا۔ اور اگر کسی خفیف و سہل
کام سے عادت کا آغاز ہوا تو کل ترقی کے مجموعہ میں اس سے نقصان عائد ہوگا۔ چاہئے
دوم کسی کام میں عادت ڈالنے کے لئے قواعد کے استعمال میں وقتوں پر بہت خیال رکھنا

ایسا وہ وقت جبکہ دل اُس کام کی طرف اچھی طرح شاغل و مائل ہو۔ دوم وہ وقت جب
اُس کو رغبت و میلان نہ ہو۔ اول صورت میں ہم ترقی خوب طرح سے خود بخود کر سکیں گے
اور دوسری صورت میں بڑی محنت و مشقت سے دل کی رکاوٹوں کو دور کرکے اور گرہوں کو کھولینگے
جس کے سبب ہمارا بیچ کا وقت ان دونو وقتوں کے درمیان چین اور آرام
سے بسر ہوگا۔
سوم ارسطو کا یہ حکم ہے کہ ہم اپنی ساری قوت اور ہمت اپنی میلان طبعی کی اشیاء کے مقابلہ میں
لگائیں جیسے کہ دیوار کی مخالف سمت میں جھکتے ہیں یا لکڑی کی کجی کے سیدھا کرنے میں مخالف
جانب میں ہم زور کرتے ہیں +
چہارم ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کے سچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں کہ آدمی کا دل ان کاموں
کی طرف زیادہ رغبت اور پسند سے مصروف ہوتا ہے جنکا خود حاصل کرنا ہمارا عین مقصود
نہیں ہوتا بلکہ وہ اور کاموں کے پورا کرنیکے لئے کیے جاتے ہیں پس عادت پیدا کرنے
میں اس قاعدہ کلیہ پر عمل ہو۔ اسی طرح کے بہت سے احکام عادت کے انتظام کے لئے
فائدہ مند ہیں عادت اگر سلیقہ اور دانائی سے پیدا کی جائے تو وہ طبیعت ثانیہ ہے اور اگر
نادانی اور بدسلیقگی سے پیدا کی جائے تو وہ میمون طبیعت سے جو اسکی نقلیں بے ڈھنگی اور بری
طرح سے اتارتا ہے اور منہ چڑاتا ہے جس سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ ارسطو کا قول یہ ہے کہ
روحانی عادت کا نام نیکی ہے۔

تعصب

(۱) لفظ تعصب کے بہت سے معانی عربی زبان میں ہیں اُن میں سے ایک معنی حمایت کرنے کے
ہیں اور اصطلاحی معنی یہ کہ آدمی کسی چیز کو بے دلیل مانے باوجودیکہ اُس کی رد میں دلائل صحیحہ
موجود ہوں اسکو ہٹ کرنا یا ہٹ دھرمی بھی کہتے ہیں مگر جس انگریزی لفظ کا ترجمہ تعصب
کیا جاتا ہے اسکے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی بات میں آدمی اپنی رائے پہلے سے قائم کرلے بغیر کافی

باعث طور پر سوچنے کے خواہ یہ رائے صحیح ہو یا غلط جب تک نہ تحقیق ہو کہ وہ کس بنا پر قائم ہوئی
ہے تو کیا وہ غلط ہو گی یا بغیر شہادت مناسب کے بہت سی صورتوں میں تعصب ایسی رائیں ہوتی
ہیں جو کسی سبب سے آدمی کو خوش کرتی ہیں مگر اُس کو اِن کے سچ ہونے کا یقین نہیں ہوتا اس لئے
وہ انکی تحقیق و امتحان سے خائف ہوتا ہے کہیں وہ جھوٹی نہ ثابت ہو جائیں تعصبات
رائیں بے وجہ کے ہوتی ہیں۔ جو بعض اور سببوں کے سواء حق پرستی کے قائم ہو جاتی ہیں
جس سبب سے وہ پیدا ہوتی ہیں وہ اسی کی قسم سے موسوم ہوتی ہیں یہ سبب کیا تو خرسندی
معصومی، معاشرت یا بغض حسد۔ کینہ ہوتے ہیں۔

(۲) ہر شخص کو یہ شکایت کہ اوروں کو تعصب کیسا گمراہ کر رہا ہے اس طرح سے کرتا ہے کہ گویا یہ
اس عیب سے بالکل پاک صاف ہے اور کوئی اس کا اثر اس میں نہیں ہے۔ یہ اعتراض تعصب پر
سب طرف سے یکساں ہوتا ہے اور یہ بات بالاتفاق مانی جاتی ہے کہ وہ آدمی کی ایک
خطا ہے اور علم کے واسطے ایک بڑی روک ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اسکا
علاج سواء اسکے کوئی اور نہیں ہے کہ اوروں کے تعصبات سے قطع نظر کر کے آدمی فقط اپنے تعصب کا
امتحان کرے۔ کوئی شخص دوسرے کو الزام لگا کے خود اپنے الزام سے بری نہیں ہو جاتا آدمی
ایک دوسرے پر بہتان و تہمت ایک ہی قاعدے سے لگاتے ہیں۔ اِس لئے وہ اس سے بری نہیں۔ سچ
اِس تعصب کی جہالت اور غلطی کے بُرے سبب کو دنیا سے یوں ہی مٹا سکتے ہیں کہ ہر ایک شخص
بغیر کسی جانبداری کے اپنا امتحان کرے اگر اور لوگ اپنے دل کے ساتھ معاملہ بہت بار [illegible]
سے نہیں کرتے تو کیا اِس سے میری خطائیں درست و صحیح ہو جائینگی یا اِن خطاؤں کے ساتھ
اس سے مجھے محبت پیدا ہو جائیگی اور ان کو میں اپنے دل کے ساتھ چپاں کر لوں گا۔ اگر
اور شخصوں کو اپنی آنکھوں پر جالا رکھنا پسند ہو تو کیا میں اس سبب سے اپنی آنکھوں پر سے
جالا جب کہ میں اُتروا سکتا ہوں نہیں اتروا ؤنگا؟ جو شخص کہتا ہے کہ اندھا ہونا بُرا ہے
اور اِن چیزوں کا وہ شوق نہیں رکھتا کہ جن سے آنکھوں کی روشنی کم ہو یا ان کی صاف روشنی

بس سے دور ہو۔ وہی امر حق اور علم کی طرف جا سکتا ہی۔ بہت سے مسئلے مقبولے مشتبہ اور
جھوٹے ہوتے ہیں ان کو لوگ صحیح اور سچ یقین کرتے ہیں اس سے وہ گمراہ ہوتے ہیں اور تاریکی
میں پڑتے ہیں تعلیم اپنے گروہ کی طرفداری۔ ادب و لحاظ۔ وضع و طرز۔ خودغرضی اور اسی قسم
کی اور باتوں سے تعصبات پیدا ہوتے ہیں انسان اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکہ کو دیکھتا ہے
اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو نہیں دیکھتا۔ گو ہر شخص اپنے عیبوں کے دیکھنے میں اندھا ہے مگر اُس پر
واجب ہی کہ مستعد ہو کر اپنے اصول کی خوب چھان بین کرے اور یہ دیکھے کہ وہ امتحان اور
آزمائش کے متحمل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ صرف یہی ایک بات ہی جو آدمی کو علم اور صداقت
کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

تعصب بڑا اندیشناک مکار رجال باز ہی وہ ہمیشہ اپنے تئیں راست بازی کے لباس میں دکھاتا ہے
اور صداقت کی شباہت بناتا ہی بڑی مہربانی اور شفقت سے آنکھوں پر پٹی باندھ کے تاریکی
کے اندر لے جاتا ہے اور ایسا آدمی کو دم میں لاتا ہی کہ وہ اندھا بنا ہوا اس تاریکی کو بڑی
روشنی سمجھتا ہے۔ پس جو لوگ اس کی بیخ و بن اکھیڑنی چاہتے ہیں اُن کے واسطے یہ مضمون
لکھا جاتا ہی کہ وہ اپنے تعصبات سے آگاہ ہو کر جانیں کہ وہ ہمارے علم و راستی کی بڑی سد راہ
ہے۔ اگر ایک شخص کسی معاملہ میں ایک مستقل رائے رکھتا ہے اور زبان سے کہتا ہی میں نے اپنی رائے
براہین مستحکم پر قائم کی ہے یہ رائے میری جناتی نہیں ہے اور میرے میلان طبع کے سبب سے نہیں
پیدا ہوئی بلکہ جب اُس کے واسطے مجھے بڑی عمدہ شہادت ملی ہی تو اُس کو اختیار کیا ہے
لیکن کیسی ہی دلائل حقہ اُسکی رائے کے خلاف پیش کی جائیں اُن پر وہ کان نہیں لگاتا۔ دوسری
جانب کی طرف وہ کسی طرح سے نہیں جھکتا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس پر تعصب مسلط ہے
وہ یہ چاہتا ہے کہ اس میں کوئی خلل نہ پیدا کرے۔ کسی شہادت کے سبب سے سچ کا ماننا نہیں
بلکہ کاہلی سے پہلے سے ایک بات کا سوچ لینا۔ یونہیں کسی اپنی عزیز بات کو فرض کر لینا
اور اپنے تئیں تحقیق کی تکلیف سے بچاتا ہی۔ اگر کوئی بات سچی شہادت سے ثابت ہو اور رائے

مستحکم دلائل پر مبنی ہو تو پھر اس کو خوف کیا ہی کہ وہ معرض امتحان و ثبوت میں آئے اگر
شخص کی رائے مستحکم بنا پر قائم ہو اور جو دلائل کہ اسکو سہارا دیتی ہیں وہ اسکی مقبولیت
صاف اور سچی اور اچھی اور یقین دلانی والی ہوں تو پھر کیوں آدمی گھبرائے انکے ثبوت اور
عدم ثبوت میں انتہا کرے جو شخص ایک بات بغیر شہادت کے قبول کرتا ہے اور زیادہ تر
اسکے ساتھ گرویدہ ہوتا ہی وہ یہ مبتلا ہے کہ میں اس میں تعصب کرتا ہوں۔ اور جب وہ
اپنی کسی مخالف بات کو سنتا ہی نہیں تو وہ اپنے تعصب کو خوب ظاہر کرتا ہے اور گویا
یہ کہتا ہے کہ میں نے جو اپنی خوشی اور شوق کے لئے یہ رائے قائم کی ہے اور جو دلائل اس کے
برخلاف قائم ہوں بغیر سننے اور امتحان کئے انپر لعنت بھیجتا ہوں۔

(۳) جو شخص علم مناظر جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ چیزوں کے دیکھنے کے اور ان کے دکھائی دینے
کے کیا کیا روپ ہیں۔ آنکھوں پر جس رنگ کا شیشہ لگاؤ اُس رنگ کی سب چیزیں اپنا
رنگ بدل کر دکھاویں گی۔ اسی طرح جب ہم اپنی رائے کے شیشہ میں اشیا کو دیکھتے ہیں تو وہ
سب اپنا رنگ بدل کر ہماری رائے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہیں۔ اور پھر ہماری خیال کی درستی
ان کو وسیع مضاعف مختصر معکوس اور ہزار طرح کی ایسی صورتوں میں بدل لیتی ہے۔

(۴) جو شخص یہ کہتا ہی کہ میں اپنے تئیں تعصب سے یوں باز رکھتا ہوں کہ اوروں کی رائے کے
استناد اور استشہاد کو نہیں مانتا اور انکا مقابلہ کرتا ہوں تو وہ اپنے تئیں یکتا ہونے کے غرور کا
اور خود غلط ہونے کا خود پرستی کا اور بہت سی برائیوں کا دروازہ کھولتا ہے۔ ناحق کے
جھگڑے اور مباحثے کھڑے کرتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ میری طرف آئیں اور میں ان کی طرف
نہ جاؤں ہم کو اُن کی رائے پر اطمینان نہیں کرنا چاہئے خواہ وہ کیسا ہی دعویٰ کریں جب تک
اور لوگ ان پر شہادت نہ دیں

(۵) بمقتضائے عمر تعصب ہوتا ہے بڑھاپے میں یہ تعصب ہوتا ہے کہ پہلا زمانہ اچھا تھا اور
اب زمانہ برا ہے۔

راہ جیسی آسان اور مختصر ہے اُس شخص کے واسطے نہیں ہے جو اغلاط میں مبتلا ہو۔ جاہل کو فقط ایک کام سیکھنے کا ہے اور دوسرے کو سیکھنے اور بھولانے کے دوہرے کام ہیں اور بھولانے کا کام بہت سی صورتوں میں نہایت دشوار ہے۔

(۸) جب آدمی کوتاہ نظر مثل مگس ہوتا ہے تو اُس کو آنکھوں کے آگے بہت کم نظر آتا ہے اس سبب سے تعصبات پیدا ہوتے ہیں جیسے کل بڑی عمارت کو مکھی نہیں دیکھ سکتی۔ ایسے ہی متعصب تمام تدابیر کے منصوبوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ ناہمواری اُسکی نظر کو روکتی ہے اور تعصب پیدا کرتی ہے

(۹) خواہ ایک شخص ہو یا ایک قوم ہو دونوں کی برائیوں بھلائیوں کے اندازہ کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے ہم دیکھتے ہیں جب تعصب میں ایک دوسرے کی لیاقتونکو تشخیص کرتی ہیں تو اُس میں عدالت کو کام میں نہیں لاتیں۔ تعصب کو زیادہ دخل دیتی ہیں۔ میزان عدالت کے پلڑوں میں برائیوں اور بھلائیوں کو [illegible] برائیاں بتلاکے ڈنک لگاتی [illegible] فراموش خاطر کرتی ہیں۔ پس دوسری قوموں کی [illegible] بھلانے سے دینا [illegible] برپا کر رکھی ہے۔ اسی سے سارے جھگڑے قضیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اصول عامہ میں [illegible] ہوتی ہے جب الوطنی زہر بن جاتی ہے۔ انسان کی سرشت ہے جن آدمیوں کو ذرا سی بھی محبت ہو اُن کو یہ بات خوب جاننی چاہیے کہ ہم اپنے تعصب کو جو نہایت زبون اور مضر ہے کیونکر کام میں لاتے ہیں۔ جو شخص بے تعصب ہو کر اوروں سے برادرانہ ملتا ہے اُس کو شاذونادر ہی کسی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے +

(۱۰) تعصب کے ساتھ جب کوئی اور صفت لگائی جاتی ہے تو مختلف طرح کے خیالات اُنکی نسبت پیدا ہوتے ہیں مثلاً تعصب قومی ۔ تعصب مذہبی ۔ تعصب تعلیم ۔ تعصب معاشرت ۔ تعصب وطن بعض آدمیوں کے نزدیک تعصب قومی ایک نیکی ہے۔ وہ نیکی جب ہے کہ اپنی اعتدال کی حد میں رہے۔ وہ حقیقت میں ایک محبت ہے۔ لیکن اگر وہ حد اعتدال سے تجاوز کرے تو پھر نیکی نہیں رہتی ہے مثل مشہور ہے کہ سخاوت پہلے اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے پس کوئی

شخص اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ سخاوت کرے تو نیکی ہے مگر یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ گھر باہر سخاوت وہ نہ کرے۔ آدمی اپنی قوم کے ساتھ بھلائی کرے اچھا ہے مگر اسکے ساتھ وہ جانے کہ اور دنیا کے آدمی بھی اسکے ہم وطن اعتبار سے ہیں کہ دنیا میں وہ نو رہتے ہیں جس ملک میں جس شہر میں جس محلہ میں رہتا ہو اسپر مہربانی کرنے کو وہ ترجیح اوروں پر دے مگر اسکو سارے آدمیوں کے ساتھ مہربانی اور لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ اور یہ سمجھنا چاہئے کہ دنیا بھی میرا بڑا شہر ہے۔ گو ایک شخص مرا ہم زبان۔ ہم لباس ہم وضع نہ ہو مگر ہم منزل ضرور ہے۔ دونو دنیا میں تھوڑے دنوں کے لئے سفر کرنے آئے ہیں بعض قوموں کا تعصب بہت بڑھ جاتا ہے وہ اپنے ہم قوم کے ساتھ محبت کرتے ہیں دوسری قوموں سے نفرت اور اپنی قوم کو دنیا کی کل قوموں پر ترجیح دیتے ہیں وہ اپنی ہی روشنی کو دیکھتے ہیں دوسرے کی روشنی کو تاریکی جانتے ہیں تعصب مذہبی بھی تعصب قومی سے کم نہیں ہوتا۔ یہ دو تعصب اندیشے سے خالی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد تعصب تعلیم ہے۔ جیسے آدمی تعلیم پاتا ہے اس کا بڑا طرفدار رہوتا ہے۔ ساری عمر اس کا تعصب رہتا ہے یہانتک کہ اگر ایک شخص چوری میں چوروں سے تعلیم پائے تو اس تعلیم کو وہ اور ساری تعلیموں سے اچھا جانے گا۔ اگر اس کو چوری کا مجرم کہئے تو وہ یہ ثابت کریگا کہ چوری جرم نہیں ہے

بچوں کو نصیحت در باب گفتگو

اے بچو میں تمکو گفتگو کے باب میں چند نصیحتیں اسلئے کرتا ہوں کہ آدمی جو باتیں کیا کرتے ہیں ان کے برے بھلے معنی لگائے جاتے ہیں اور اس کے موافق اُن کا بہت کچھ برا بھلا ہو جاتا ہے۔

جس بات کو تم جانتے ہو یا یقین کرتے ہو کہ وہ جھوٹ ہے اسکو کبھی ایسے پیرایہ میں بیان کرو کہ وہ سچ معلوم ہو۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ بولنے کی برابر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ پاک نے زبان سچ بولنے کے لئے دی ہے جھوٹ بولنے کے لئے نہیں قطع نظر اس گناہ کے یوں بھی جھوٹ بولنا انسان کے حق میں مضر ہے جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے دروغ بولے تو کیسے

ان کی سوسائٹی میں سلامتی اور خیریت رہ سکتی ہے۔ بے شک ایسا پاجی اور کمینہ ہو جاتا ہے
کہ بے ضرورت جھوٹ بولتا ہے اور سچ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور سچ بولے تو کوئی اعتبار نہیں
اُس کو عادت کے سبب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔

تم کو جھوٹ بولنے سے پرہیز ہی نہیں چاہئے بلکہ اُس کے سایہ سے گریز۔ اگر کوئی بات تمہاری رائے
یا قیاس کے موافق ہو یا تم کو اُس کی اطلاع ہوئی ہو تو اُس کو یوں نہ بیان کرو کہ وہ قطعی اور
یقینی اسی طرح ہے۔ ہمیشہ مختصر الفاظ میں باتیں کیا کرو خصوصاً اجنبی اور بزرگوں کے سامنے
کیونکہ یہ موقع ایسا ہوتا ہے کہ اُس میں تم بزرگوں یا اجنبی آدمیوں کی باتیں سُن کر اپنا علم و تجربہ
بڑھاؤ اور عقلمندی حاصل کرو نہ یہ کہ بکواس کرو جس سے تمہارا ضعفِ عقل ظاہر ہو اور علم و ادب
سیکھنے کا موقع ہاتھ سے جائے۔ ایسے موقع پر بولنا گستاخی سمجھی جاتی ہے اور خاموشی بہتر ہوتی ہے
گفتگو میں درشتی اور طمطراق نہ ہو۔ مخالفوں کو استدلال اور براہین سے ساکت کرو نہ یہ
کہ اپنے غل شور مچانے سے۔

جب کوئی دوسرا شخص بول رہا ہو تو اُس کی بات نہ کاٹو۔ پہلے اُس کی پوری بات سُن لوگے
اور سمجھ لوگے تو پھر اُس کو جواب خاطر خواہ دے سکوگے جب کوئی بڑا ضروری کام درپیش ہو تو
اُس میں بولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے اور جو کچھ بولو پہلے اُس کے معانی خوب سمجھ لو۔
کوئی طعن و طنز اس میں ایسی نہ ہو کہ وہ کسی ناگوار خاطر ہو اور باعث رنجیدگی ہو۔ جو کچھ
کہو ادب و حیا کے ساتھ۔ عاقل بولنے سے پہلے سوچتا ہے اور احمق بولنے کے بعد۔

کوئی شخص زراعت خوب جانتا ہے اور کوئی تجارت کوئی علوم ریاضیہ۔ غرض جو شخص جس
فن کا ہو اُس سے تم باتیں اسی فن کی متعلق کرو اس سے تمہاری معلومات بڑھے گی۔ اِس طرح کی
معلومات بہت کام آتی ہے۔

جب تم اوچھے اوباش بیہودہ شوخ آدمیوں کی صحبت میں بیٹھو تو زبان کو لگام دو اور بہت
احتیاط سے بولو اور اپنا برتاؤ اُن کے ساتھ ایسا رکھو کہ کوئی بُرائی اُن کی تم کو نہ لگ جائے۔

اگر کسی شخص کو تم جانو کہ وہ سچا سنجیدہ متین آدمی ہے اور وہ تمھارے سامنے عجیب غریب باتیں بیان کرے تو تم اُن کو یقین نہ کرو اور نہ اور لوگوں کو ان کو سناؤ۔ مگر یہ بھی نہیں کہ تم ان کے ساتھ بحث و تکرار شروع کرو کہ یہ باتیں نہیں ہو سکتیں مگر ہاں تم کو اپنی اظہار رائے کی اجازت ملے تو اس کو نہایت ادب و لحاظ سے ظاہر کرو۔ غرض ایسی باتیں کرو کہ نہ دوسرے کو رنج ہو نہ تمھاری احمقانہ سریع الاعتقادی ظاہر ہو۔ کبھی کوئی لفظ اپنی تعریف کا زبان پر نہ لاؤ۔ اگر اپنی تعریف آپ کرو گے تو اس سے معلوم ہوگا کہ تمھاری شہرت بہت تھوڑی ہے۔ اور ایسی تعریف اپنے منہ سے میاں مٹھو لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے اور سنجیدہ خاطر کرتی ہے اور تم کو ڈبوتی ہے تم کسی کی غیبت نہ کرو جب تک وہ اس کا مستحق نہ ہو۔ اور اسکی ضرورت نہ ہو۔ باتیں کرنے میں قسم کھاؤ نہ مثل اُسکے اور ایسے الفاظ کہو کہ ہم سچ کہتے ہیں یا ہماری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں اگر جھوٹ بولیں تو مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔ اور علی ہذا القیاس۔

جن آدمیوں میں قدرتی عیب نقص دیکھو تو ہنسی کی باتوں میں اُن کی خاک نہ اُڑاؤ۔ بلکہ اُن سے دل میں متاثر ہو کر نیکی پیدا کرو۔ کبھی ایسی گفتگو نہ کرو کہ جن کے الفاظ لوگوں کے کلیجہ چھیدیں اور چھاتیوں میں برچھیاں لگائیں۔ اور اوروں کی تذلیل و تحقیر تخویف کا باعث ہوں۔ اچھے الفاظ دوست بناتے ہیں بُرے الفاظ دشمن۔ آدمی کو چاہیے کہ جتنے دوست دیانت کے ساتھ پیدا ہو سکیں پیدا کرے۔ پھر جب دوست ایسے ارزاں چند الفاظ شیریں میں ہاتھ لگیں تو اُنکو کیوں چھوڑے۔ اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں کہ تم کسی شخص کو اپنا دشمن بنالو جس سے اپنے تئیں کچھ فائدہ بھی نہ ہو۔ جب چھوٹوں سے خطائیں سرزد ہوں تو بزرگوں کو ان کی اصلاح ضرور ہے مگر یہ اصلاح بغیر تلخ کلامی اور درشت زبانی کی ہو تو بہتر درشت زبانی خطاوار کو ڈھیٹ کر دیتی ہے۔ اور ملامت کرنے پر ملامت کرتی ہے۔ اگر کسی شخص کو غصہ بہت آتا ہو وہ تم سے بُری طرح بولے تو تم اُس پر رحم کر کے معاف کر دو غصہ نہ ہو۔ تم خوب جان لو کہ خاموشی اور شیریں کلامی انتقام کے لئے لعنت ملامت سے بہتر ہے

وہ فوراً دوسرے کے غصّہ کو فرو کر دیتے ہیں اور وہ اپنی حرکت پر نادم ہونے لگتا ہے اور
یوں سخت سزا اسکو اپنی خطا کی مل جاتی ہے کبھی قسم نہ کھاؤ کسی کو کوسو نہیں قسم کھانا کوسنا
پاجی کمینوں کی عادت ہوتی ہے۔ بعض بُرائیاں چھوٹے آدمی بڑے آدمیوں سے سیکھتے ہیں
بعض بُرائیاں بڑے آدمی چھوٹے آدمیوں سے سیکھتے ہیں پس یہ قسم کھانا اور کوسنا شریف
رذیلوں سے سیکھتے ہیں یہ دونو بُرائیاں ایک سی پاجی پنے کی ہیں۔ خدا کی قسم کھانا اور یہ
کسی کو کہنا کہ خدا تجھکو جہنم میں ڈالے ایک ہی بات ہے۔ کیا نا خدا پرستی کہ آدمی جن اپنے عزیزوں
اور جان کی سلامتی چاہتا ہے۔ اُن سے محرومی کے لئے دوستوں اور عزیزوں کو کوستا ہے
جو اوروں پر لعنت کرتا ہے اسپر خود لعنت ہوتی ہے جو خود فوارہ لعنت بنتا ہے اُسپر لعنت خود
پڑتی ہے۔

خاکساری کے ساتھ زندگی بسر کرنی

جو بزرگ کہ خاکساری و فروتنی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تئیں دنیا کے تمام
جھگڑوں اور بکھیڑوں سے بچاتے ہیں نہ خود حاسد ہوتے ہیں نہ کسی کے محسود بنتے ہیں۔ نہ خود کسی کی
آداب اور کورنش بجالاتے ہیں نہ اوروں سے اپنی تعظیم و تکریم کراتے ہیں اگر کوئی ایک نیک
بے ریا دوست مل گیا تو اُسکے ساتھ ایسے مقامات میں رہتے ہیں کہ نہ کوئی اُن کو جانیں
وہ کسی کو جانیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم جگت آشنا ہوں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنا دروازہ
کھول دیں کہ لوگ آن کر ہماری تضیع اوقات کیا کریں اور اپنے پیچھے روزانہ لوگوں کی
ہرزہ درائی کی وبا لگالیں۔ وہ اس میں اپنی عسرت نہیں سمجھتے کہ اُن کو بہت لوگ جانیں
اور جب وہ راہ میں چلیں تو لوگ انگلیوں سے اُنکو اشارہ کرکے بتائیں یہ بات تو اُن چیزوں کو
بھی حاصل ہے جو قدرتی یا مصنوعی عجیب و غریب ہوں جو شخص اونچی دکان لگاکے دوائیں
جھوٹی تعریف کرکے بیچتا ہے اُس کو بہ نسبت حاذق حکیم کے اور جو شخص پھانسی دیتا ہے اُس کو
بہ نسبت جج کے لوگ زیادہ جانتے ہیں اور رستہ میں انگلیوں کے اشارہ سے بتاتے ہیں۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

(۴) کو غلاموں کو فقط غلام کے نام سے شرمندگی ہوتی ہے مگر وہ نیک چلن ہوں تو آزادوں سے اُن کا درجہ کچھ کم نہیں کیونکہ فقط غلام کے نام سے کوئی بُرا نہیں ہوتا بہت غلام تو آزادوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ فقط نام غلاموں کو بدنام کرتا ہے۔ مگر ان کا دل بہت آدمیوں سے جو غلام نہیں ہیں زیادہ آزاد ہے۔ غلام کا گوشت وہی ہوتا ہے جو اور آدمیوں کا۔ وہ پیدائش سے غلام نہیں ہوتا قسمت سے غلام ہو جاتا ہے۔ بڑا شریف عالی نسب ہی ہوتا ہے جو نیک خلق ہو۔ بدخلق خواہ کیسا ہی عالی خاندان ہو کمینہ ہوتا ہے اسلئے شرافت نسب کی وقعت میری نظر میں کچھ نہیں ہے۔

دُنیا کی نعمتوں کی شکرگزاری

دنیا میں ہزاروں مصائب ہیں پس جس مصیبت سے تم بچو اُسپر خدا کا شکر بھیجو۔ بیماریاں دیکھتے ہو کہ کتنی ہیں کہ کوئی پتھری کے مارے تڑپ رہا ہے۔ کوئی گھٹیا سے کھٹیا پر لگ رہا ہے۔ کوئی ہاتھ پاؤں سے اپاہج پڑا ہے۔ پس جب ہم تندرست اور امراض جسمانی سے خالی ہوں تو خدا کا ہزار ہزار اور اگر امراض روحانی میں مبتلا نہ ہوں تو لاکھ لاکھ شکر ہم کو بھیجنے چاہئیں کسی کسی مصیبت سے بچے رہنا خدا کا ایک نیا فضل و کرم ہمارے حال پر ہے۔ بہت سے آدمی کھاتے پیتے ہیں ہنستے ہیں چین سے رہتے ہیں گاتے ہیں آرام سے اپنی نیند سوتے ہیں۔ دوسرے روز جاگتے ہیں اور تازہ دم ہو کر پھر وہی کام کرتے ہیں جو پہلے روز کئے تھے۔ ان آدمیوں کو وہ نعمتیں حاصل ہیں جنکو دولتمند اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی نہیں مول لے سکتے ہیں ہم بعض دولتمندوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ رات دن دولت جوڑنے کی فکر میں گرفتار رہتے ہیں کہ انکو ہنسنے تک کی بھی فرصت نہیں ہوتی اور انہوں نے اس دولت کے کمانے کے لئے اپنی کل زندگی وقف کر دی ہے حضرت سلیمان کے اس قول پر عمل ہے کہ دولت اُسکے واسطے ہے جو محنت کرتا ہے یا۔ بیا۔ سچ ہے کہ آدمی کا خوش کرنا دولت کے اختیار میں نہیں ہے کیا خوب ایک حکیم نے یہ لطیفہ کہا ہے کہ دولت کے ورے پرے دونو طرف مصیبتیں برابر ہیں خدا وہ فقر و فاقہ کو دے نہیں کہ جس سے کمر ٹوٹ جائے مگر اتنا دے کہ محتاج کو کافی ہو تو پھر قناعت

[illegible]

[illegible]

سے میں کس حیرت کدہ میں آگیا جہاں ساری دنیا کی ذہانت کا ذخیرہ جمع ہے۔ کبھی اس کو دیکھ کر
میرا دل شکستہ ہوتا تھا۔ کہ میں کب ان سب کو مطالعہ کر سکتا ہوں۔ کبھی میرا دل شگفتہ ہوتا
تھا کہ جس علم کی تحصیل میں تکمیل چاہوں گا۔ اس میں میری مدد کرنے کے واسطے یہ سامان
موجود ہے۔ اس کتب خانہ کے کتابیں حضرت سلیمان کے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں کہ
نئی کتابوں کے لئے انتہا نہیں خدا نے انسان کو ذہن دیا ہے کہ ہمیشہ کام کرتا رہتا ہے چھپی
ہوئی سچی باتوں کو کاوش و پژوہش کر کے منکشف کرتا ہے۔ فرصت میں تجربوں سے ایجاد کرتا ہے
اگر خدا نخواستہ یہ ذہانت کا کام دب جاتا تو انسان کے حق میں نہایت مضر ہوتا۔ ذہن تو
حال شمعوں کا سا ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو روشن کرتی ہیں۔ انسان جو کچھ اپنے سوچ بچار
غور وخوض سے اپنے نزدیک سچی باتیں معلوم کرتا ہے۔ وہ کاغذ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ کیا یہ کتابوں
میں تسخیر و اعجاز نہیں ہے کہ ہم جس قدیمی لائق عالم اور قابل فاضل کو بلاتے ہیں وہ ہمارے
سامنے آموجود ہوتا ہے اور اس کے سامنے اپنی تمام شبہات بیان کر کے رفع کر لیتے ہیں۔
دنیا کے جس کونے سے چاہتے ہیں عمدہ حکیم طبیب ولی اللہ بلا لیتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے
تمام سوال بیان کے جواب ایسے سن لیتے ہیں کہ خاطر جمع ہو جاتی ہے۔ کیا عجیب [illegible]
معلم ہیں کہ جب ان کے چہرہ پر نظر ڈالئے وہ کچھ نہ کچھ سبق پڑھا دیتے ہیں۔ کوئی قانون ایسا
نہیں ہے کہ مجھے سارے کتب خانہ کے پڑھنے پر مجبور کرے۔ مگر ہاں جتنا میں زیادہ کتابوں کا
مطالعہ کرتا ہوں اور ان کو ہضم کرتا ہوں یعنے سمجھتا ہوں اتنا ہی زیادہ ان کو پسند کرتا ہوں
یہ کتابیں نہیں ہیں بلکہ ہدایت کے لئے چراغ روشن ہیں اب اگر کوئی تاریکی کی شکایت کرے
تو اس کو اندھا کہنا چاہیئے۔ خدا ان پر اپنی رحمت بھیجے کہ جنہوں نے اپنا دل و دماغ جگر جان ساری
زندگی ان بیش بہا کاموں میں صرف کر دی اور اپنے دل و دماغ کو چراغ اوروں کی روشنی کے
لئے بنا دیا۔ سکندریہ نے اپنے کتب خانہ کا نام معالج روحانی رکھا تھا۔ یہ نام کیا اسم با مسمی ہے
(۲) کتابیں نئے نئے منظر سامنے لاتی ہیں ہم کو سکھاتی ہیں کہ کس طرح زندگی بسر کریں۔

غم زدوں کی غم زدائی کرتی ہیں متمردوں کو تنبیہ کرتی ہیں احمقوں کو نصیحت کرتی ہیں۔
غافلوں کی خرد افزائی کرتی ہیں وہ سب کی مدد کرتی ہیں وہ بدنصیبوں کو برباد ہونے سے
بچاتی ہیں کسی مصیبت زدہ سے وہ کنارہ نہیں کرتیں وہ مغروروں کا غرور دور اور
تنگ دلوں کی طرح حاجت مندوں سے ترش روئی اور بے رخی نہیں کرتیں یہ ان میں کیا خوبی
ہے کہ وہ جو چیزیں بادشاہوں کو بتاتی ہیں وہی غریبوں کو روحانی امراض کا علاج
بتلاتی ہیں عقل کے مفلسوں کو خیالات کا خزانہ دیتی ہیں وہ آتش غیظ و غضب کو
بجھاتی ہیں۔ روح کے امراض مزمنہ کی حکمی دوا بتلاتی ہیں خواہ درد سر ہو یا درد دل
وہ دونوں کا درمان کرتی ہیں وہ چپ چاپ ہیں کوئی آواز ان میں نہیں نکلتی مگر ساری
زمانہ باتیں ان میں موجود ہیں جو چیزیں زندہ نہیں رہتیں ان کا مدفن اپنے اندر بنا کے
زندگی جاوید ان کو دیتی ہیں وہ زمانہ آیندہ کی قوموں کو نصیحت و تعلیم منجوش کرتی ہیں
خدا کے فضل نے یہ انسان ہی کو سکھایا ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کی تصویر کا نقشہ کتابوں
میں اس طرح لگائے کہ وہ قائم رہے جو ذرہ برابر سامنے سامنے جب ہوتے ہیں باتیں کرتے
ہیں مگر انسان دور دور بیٹھے ہم کلام ہوتے ہیں کتابوں کی تصنیف میں مصنف خون جگر
کھاتے ہیں اور جگر کو خون کرتے ہیں تاکہ زمانہ میں ان کی تعریف ہو اور شہرت مدت
تک رہے تصنیفات بھی انکی اولاد ہوتی ہے جسکو وہ بہت محنت و مشقت سے پیدا کرتے ہیں اور
بڑی خبرداری سے پالتے پوستے ہیں تاکہ وہ انکی یادگار رہے کتابیں ایسے بزرگوں
کی مدفن ہیں جو مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ ان کے سر پر شہرت کا تاج رکھا ہوا ہے۔
(۳) پرانی کتابوں کی ناقدری اور نایابی بہت سے مصنف ایسے تھے کہ وہ اپنے زمانہ میں
بڑے نامور تھے اور انکی تصنیفات کا ذکر ان کے معاصرین کی کتابوں میں بہت تحسین اور
آفرین کے ساتھ ہوتا تھا۔ اب کبھی ان کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ تصنیفات انکی کہیں
دیکھنے میں نہیں آتیں اور اگر کہیں کسی کتبخانہ میں وہ پڑی ہوتی ہیں تو ان کو کوئی اٹھا کر

پڑھتا نہیں ردی کی طرح ٹلی پڑی رہتی ہیں اور یاد دلاتی ہیں کہ انسان کو امیدیں کیا کیا فریب
دیتی ہیں اور عزت کا حاصل ہونا کیسا محقق ہے۔ ان ناموروں کی گمنامی کے اور ان کی
تصنیفات کی ناقدری کے لئے یہ سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جو ناموری ان کو کسی زمانہ میں
حاصل ہوئی وہ اس کے مستحق نہ تھے۔ دوستوں کی مہربانی سے اور خوشامدیوں کی خوشامد
سے ان کی شہرت کا آوازہ بلند ہو گیا۔ نکتہ شناسوں نے ان پر توجہ نہیں کی۔ جو آدمی
اور ہر دل عزیز ہوتے ہیں ان کی تصنیف کی تعریف بڑی شد و مد سے ہوتی ہے مگر یہ
انکے نام کی گونج آدمی سنتے سنتے تھک جاتے ہیں کہ ایک ہی نام ہزاروں منہ سے
ایک ہی دفعہ نکلتا ہے۔ دوم بعض مصنفین کی ناموری میں بٹا یوں لگ گیا اور ان کی محنت
محنت کا صلہ یوں خاک میں مل گیا کہ ان کو ناموری اور صلہ دونو بہت جلد حاصل ہوئے
زمانہ حال کے واقعات پر جن کا چرچا ان کے زمانہ میں بہت پھیل رہا تھا اون پر وہ حاوی ہوئے
اور اس میں انھوں نے مضامین تحریر کئے جو لوگوں کی طبائع کے موافق تھے جسکے سبب سے
ان کو جلد ناموری حاصل ہو گئی۔ مگر جب وہ واقعات نہ رہے اور نہ وہ لوگ رہے جو ان سے
علاقہ رکھتے تھے تو پھر ان کی یہ ساری تحریریں ردی ہو گئیں جب معلول نہ رہا تو علت آپ ہی
جاتی رہی۔ زمانہ کے انقلاب سے واقعات زمانہ بدلتے رہتے ہیں۔ اب نئے نئے واقعات رونما ہوئے
لوگ انکی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر پہلے مصنفوں کی تصنیفات کی تقویم پارینہ کو کون پڑھتا اور دیکھتا ہے
جو تصنیفات کہ اصول عامہ پر لکھی جاتی ہیں اور ان میں حقائق عامہ کا بیان ہوتا ہے
تو البتہ ان کی نسبت یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مدتوں تک پڑھی جائیں کیونکہ وہ ہر زمانہ میں اور
ہر ملک میں ایک ہی اثر رکھتی ہیں وہ زمان و مکان کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں ہوتیں کہ انکے
بدلنے سے وہ نکمی ہو جائیں انہیں چیزوں سے انسان کو مدت تک محبت رہتی ہے جو عقل پر
مبنی ہوتی ہیں نہ ان چیزوں سے جو جذبات پر مبنی ہوتی ہیں۔ جو مشہور تصنیفات بادشاہوں
کے جذبات نفسانی کے خوش کرنے کے لئے لکھی گئیں وہ انہیں کے ساتھ دفن ہو گئیں۔

(۴) فاضل عالم جیسے سب یہ شکایت کرتے ہیں کہ متقدمین کی کتابیں زمانہ نے برباد کر دیں
ایسی وہ کوئی اور شکایت نہیں کرتے اُن کو دلی قلق اور رنج ہے کہ قدیمی شائستگی اور تہذیب کے
زمانہ میں جو مصنف نامور اور مشہور تھے سوا اُن کے نام کے اب کوئی اُن کی تصنیفات باقی
نہیں رہی - ان ناموں سے وہ آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی پوری نہ ہونگیں اور درد و رنج پیدا
ہوتے ہیں جنکی کبھی تسکین نہین ہوگی مگر اسکو غنیمت نہین جانتے کہ اگر متقدمین کی تحریرات
برابر زمانہ میں باقی رہتیں اور سکندریہ کا کتب خانہ اور بڑے بڑے کتب خانے فنا نہ ہوتے تو
بتلایئے کہ نئی تصنیف کوئی کیسے کرسکتا اور نئے زمانہ میں نیا مصنف کون مشہور ہوتا اول تو
ان کتابوں کے مطالعہ ہی سے فرصت نہ ہوتی اور اگر کوئی جرات کرکے کچھ تصنیف کرتا تو یہی
کہا جاتا کہ اُسنے اور تصنیفات سے نقل کردی ہے - غرض کسی کا چراغ متقدمین کے سامنے
فروغ نہ پاتا اس زمانہ میں جو مصنف شہرت اور اپنی محنت کا صلہ پا رہے ہیں وہ
ہرگز نہ ہوتا - پہلی تصنیفات کے مٹ جانے نے شہرت کرائی اور صلہ دلایا -

علم کی تحدید

علم کا حال دریا کا سا ہے اگر اسکو وہاں جاکر دیکھو جہاں سے نکلتا ہے یعنی منبع پر تو نہایت تنگ ہوتا
ہے اور خوب اچھی طرح نظر آتا ہے - پھر آگے نکل کر وہ بڑھتا جاتا ہے اور اپنے کناروں کو
بناتا جاتا ہے جن پر سر سبز درخت اور شاداب سبزہ زار اور رنگ برنگ کے پھول سیر دکھاتے
ہیں پھر آگے چل کر وہ بہت چوڑا اور گہرا ہو جاتا ہے اور آخر کار سمندر میں جسکی تھاہ کا پتا نہیں
جا ملتا ہے - یہاں پانی ہی پانی نظر آتا ہے کہیں کنارہ نہین دکھائی دیتا - اب ہم دریا کا
بہتیرا سراغ لگائیں مگر وہ کہیں نہیں لگتا پس علم میں بھی جب ہم مادی اشیا کی تشریح کرتے ہیں اور
اُن کے سبب دریافت کرنے کے وسائل ہم رکھتے ہیں تو ہم خوش ہوتے ہین لیکن جب علم
الٰہیات میں جاتے ہیں یا قدیمی باتوں کی تحقیقات کے درپے ہوتے ہیں اور خدا کی وہ باتیں
جن کا الہام خود اُسنے نہیں کیا تحقیق کرنی چاہیں تو ایک ایسے سمندر میں جا پڑتے ہیں جو ایسا گہرا ہے

تو اُس کی تہ تک انسان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ اپنی ذہانت سے انسان کچھہ دریافت کرتا ہے مگر زیادہ تر حصہ نامعلوم ہی رہتا ہے۔ دل اُس کی جستجو میں حیران پریشان ہوتا ہے اور ذہن کی آنکھیں اُسکے دیکھنے میں دھندلی اور خیرہ ہوتی ہیں۔

(۳) عالم اور معلوم کے درمیان جو علاقہ ہوتا ہے اُس کا نام علم ہے۔ اِس میں تین باتیں ہوتی ہیں ایک بالاستقلال یقین دوم کیا حق ہے سوم وجہ۔ اگر ایک شخص اقلیدس کے ثبوتوں میں شبہہ کرے تو ہم یہ کہینگے کہ وہ نہیں جانتا کہ اقلیدس نے شکلوں کو ثابت کیا ہے اور اگر اسکو ایسی بات کا یقین ہے جو حق نہیں ہے تو کہینگے کہ وہ جاننے میں غلطی کرتا ہے۔ اگر دو آدمیوں میں سے ایک کو یہ یقین ہو کہ چاند میں آبادی ہے اور دوسرے کو یہ یقین ہو کہ نہیں ہے تو گو ان دونو رایوں میں سے ایک سچ ہو مگر ہم یہ کہینگے کہ دونو سچ نہیں جانتے اسلئے کہ اُنکے پاس کافی ثبوت نہیں ہے +

رفاہ خلائق کے مدعی

یہ رسم اور عادت پڑ گئی ہے کہ جو لوگ عوام کی اصلاح اور اُن کے امراض کی اطلاع دیتے ہیں وہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے یہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم سب تکلیف جو اپنے اوپر گوارا کرتے ہیں وہ سب غیروں کے فائدہ کے لیے ہے اور خود ہمارے اغراض اُن سے کچھہ متعلق نہیں ہیں۔ نہایت عمدہ جبے اور عمامے اور لباس عزت زیب تن فرماکر اپنی خود ستائی میں تر زبان اور خود فروشی میں گرم نفس ہوتے ہیں کہ ہم کیا سستا سودا بیچ رہے ہیں کہ اپنے جواہر مضامین کو کوڑیوں کے بدلہ میں دیدیتے ہیں لیکن ہم ایسے بکواسیوں کو نہایت ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُن کو عوام کو اطلاع دینی چاہئے کہ جو کچھہ ہم کرتے ہیں۔ اُس سے مطلب و غرض اپنی آسودگی ہے عوام کی خدمت گزاری سے روپیہ پیدا کرنا ہمارا مقصد اعظم ہے۔ ہم جو راتوں کو اپنا دماغ دود چراغ سے پریشان کرتے ہیں اُس سے بھی مطلب ہے کہ عوام سے روپیہ ہم کو ملے تا کہ باطمینان تمام خاص و عام کی خدمت ہم کریں۔ ہماری ساری عمر تعلیم میں بسر ہوئی ہے اسلئے ہم کچھہ اور پیشہ سوا قلم کے کچھہ اور

نہیں کر سکتے ہم اوروں کی خدمت اس قلم سے اس لئے کرتے ہیں وہ ہماری خدمت بروپیہ کریں

ہنسنا

سمجھنا کہ ہنسی کیوں آتی ہے ہنسی کھیل نہیں ہے بلکہ ہنسنا بھی ایک فلسفی مسئلہ ایسا مشکل ہے
کہ آج تک کسی حکیم سے حل نہ ہوا کہ وہ بتاتا کہ ہنسی کیا چیز ہے معلوم نہیں کہ انسان کے دل میں وہ
کیا جذبہ ہے جس کا نام کوئی نہیں بتا سکتا جب وہ اٹھتا ہے تو چہرہ کی ہیئت کو بدل دیتا ہے
جس کو ہم ہنسنا کہتے ہیں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ خوشی سے کھیل اور تمسخر کی باتوں سے اپنی
کامیابی اور کامیابی سے ہنسی آتی ہے مگر تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے کہ انسان کو
مصیبت اور ناخوشی میں بھی ہنسی آتی ہے جس میں کوئی بات اور کسی باتوں میں سے نہیں ہوتی
اسی سبب سے شکر خند زہر خند کھسیانی ہنسی مشہور ہیں پھر یہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز ہم کو ہنساتی ہے
اگر وہ باسی ہو جاتی ہے اور بار بار پیش آتی ہے تو اس پر ہنسی نہیں آتی جس چیز کی ہم امید
نہیں کرتے یا نئی چیز ہوتی ہے تو اس پر آدمی کو اکثر ہنسی آیا کرتی ہے خصوصاً ان لوگوں کو
زیادہ جو اپنے ہر کام کی تھوڑی خوبی پر تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ اپنے کمال پر اکثر
ہنسا کرتے ہیں جو ان کی امید سے ذرا بھی زیادہ اچھی ہو جاتی ہیں وہ اپنے کھیل اور چہل کے
چٹکلوں پر زیادہ ہنسا کرتے ہیں۔ آدمی کو جو دفعۃً اپنی قابلیت اور لیاقت کا خیال آتا ہے
تو ہنستا ہے اور اپنی لیاقت کو بمقابلہ دوسرے شخص کی نالائقی اور ناقابلیت کے دیکھ کر بھی
آدمی ہنستا ہے۔ آدمی کو جو چہل اور کھیل کی باتوں پر زیادہ ہنسی آتی ہے اس کا سبب ہے کہ
اس طریقہ سے دوسرے آدمی کی بیہودگی ذہن میں جلد منتقل ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی
بیہودگی اور نالائقی کا خیال دفعۃً اپنی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ آجاتا ہے جب یہ
ساتھ نہ ہو یا اس گروہ کے ساتھ جس کی ذلت میں ہم کو بھی شریک ہونا پڑے کوئی چہل اور کھیل
کیا ہے تو ہنسی نہیں آتی پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہنسی کا سبب یہ ہے کہ ہم کو اپنی بزرگی
اور قابلیت کا خیال دفعۃً دوسرے کی نالائقی یا اپنی ہی گذشتہ نالائقی کے ساتھ آئے آدمی کو

اپنی پہلی حماقتوں پر جو بالعقل ذوعرفی کا سبب ہیں ہنسی آیا کرتی ہے۔ انسان کو اپنی غبیاوت
پر ہنسی شدت سے آتی ہے۔ جو ہنسی بے ربط کی ہوتی ہے وہ امردوں کی بیہودگی اور نالائقی پر
ہوتی ہے۔ صحبت میں جب آدمی اکیلا ہنستا ہے تو اس سے اور لوگ کشیدہ خاطر ہو کر اپنی
طرف دیکھتے ہیں کہ وہ کیوں ہنستا ہے۔ اور وہ کی ذلت اور نالائقی پر اس سبب ہنستا
وہ ہم میں نہیں ہے یا ہم اُن سے بہتر ہیں۔ ایک سبک حرکت ہے یہ کچھ کام کی بات نہیں
کہ آدمی دوسرے کی نالائقی کو اپنی فتح و ظفر سمجھے اور اُس پر فخر کرے۔

(۲) اگرچہ یہ باتیں کہ چہرہ آدمی کے دل کا عنوان ہوتا ہے تو ہم ہنسی سے آدمی کے دل کی بہت
باتیں دریافت کر سکتے ہیں پہلے ہم کو یہ دریافت کرنا چاہیے کہ کس کس بات پر اُس کو ہنسی
آتی ہے۔ وہ کیونکر آسانی سے ہنسایا جا سکتا ہے وہ کونسی راہیں ہیں کہ پسندیدہ طور پر ہنسی
تن کے اندر جا سکتی ہے ہنسنا ایک ظاہری علامت خوش دلی کی ہے۔ ہنسنے سے یہ معلوم
ہوگا کہ اُس کی طبیعت کن کن باتوں سے خوش ہوتی ہے۔ اس سے اس کا مزاج معلوم
ہنسنا تو فقط انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوان تو اس سے محروم ہیں جو آدمی ذہین اور
ظریف اور گمبھیر ہوتے ہیں اُن کا ہنسنا بناوٹ اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا برخلاف بھولے
کم عقل آدمیوں کے کہ وہ بے تکلف بغیر کسی مکر و فریب کے قہقہے لگاتے ہیں قاعدہ ہے کہ خالی
ظرف میں سے بڑی آواز نکلتی ہے۔

(۳) ہنسنے کے ادا اور انداز بہت سے ہیں شاعروں کے کلام کو دیکھئے تو معشوق کے تبسم اور
خندہ زیرلبی سے کیا کیا کام وہ لیتے ہیں کبھی اس سے عاشقوں کو قتل کرتے ہیں کبھی نہال
کرتے ہیں۔ کبھی اُس کے کلکلا سے عاشقوں کو تختۂ جفا بناتے ہیں۔ کبھی اُسے گل تازہ بنا کے
فرحت افزا کبھی مسکرانے سے غضب ڈھاتے ہیں کبھی عاشقوں کی منظوری کی دلیل بناتے
ہیں کبھی معشوقوں کا وہ ناز و انداز بتاتے ہیں جن کے آگے خندۂ گل و خندۂ سحر و خندۂ صبح شرمندہ
ہوتے ہیں جو چیز شگفتگی پیدا کرے وہ خندہ ہے غرض یہ ہنسی کا مضمون بھی شاعروں کے ہاتھ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٧
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (٥
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

عیبوں کو سنہ جانے تو اسے ہنسنا چاہیے۔ اگر کوئی ڈرپوک نامرد اپنی جوانمردی کی ڈینگ مارے یا کم علم اپنے علم کی شیخی مارے تو اُس پر ہنسی آتی ہے اس سبب سے نہیں کہ نامردی اور ضعف فہم قابل ہنسی کے ہیں بلکہ فقط اس سبب سے کہ جو نامرد ہے وہ اپنی لیاقت کو جوانمردوں کی برابر جانتا ہے اور جو کم فہم ہے وہ عالی فہموں کا ہم پلہ اپنے تئیں سمجھتا ہے۔ پس جو شخص ان باتوں کے سوا ہنسے وہ سنجیدہ اور متین آدمیوں کے گروہ سے خارج کرنے کے قابل ہے۔ ایک شخص کو ہنسنے کی عادت بہت تھی اس نے کہا کوئی شخص اسکی وجہ بتا سکتا ہے کہ میں زیادہ کیوں ہنستا ہوں اس پر ایک لطیفہ سنج نے جواب دیا اگر ہنسنا مُنہ کے کھولنے اور پیٹ میں معدہ کے ہلانے کا نام ہو تو یہ ایک حرکت ہر شخص اپنے اعضا کی کر سکتا ہے۔ چہرہ جس طرح چاہے بنا سکتا ہے۔ مگر ہنسنا اس کا نام نہیں ہے۔ وہ ایک نہایت سنجیدگی اور متانت کا کام ہے۔ تم عمر بھر کبھی نہ ہنسے ہو گے اور نہ شاید آیندہ ہنسو گے تم کو تو ایک بدن ہلانے والی بیماری کا دورہ رہتا ہے۔

بعض آدمیوں کے جسم کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی نیک مزاجی کے سبب بہت باتوں پر ایسی ہنسی آتی ہے جیسے کہ اوروں کو بعض کی تحقیر پر۔

انسان کی مصیبتوں کا ذکر

سقراط کا کیا خوب مقولہ ہے کہ اگر انسانوں کی تمام مصیبتوں کو لا کر ایک جگہ ڈھیر لگایا جاتا اور پھر سب کو کہا جاتا کہ تم برابر برابر حصے کر کے انہیں بانٹ لو تو جو شخص اپنے تئیں سب سے زیادہ مصیبت زدہ سمجھتا تھا اس کو اس تقسیم سے ایسی مصیبت ہاتھ لگتی کہ وہ اپنی پہلی مصیبت کو غنیمت گنتا۔ اس مضمون کو اور زیادہ لطف کے ساتھ ایک رومی شاعر نے یوں ادا کیا کہ اگر آدمیوں میں ہر ایک شخص دوسرے شخص سے اپنی مصیبت کو بدل سکتا تو اس مبادلہ سے اور زیادہ مصیبت میں وہ گرفتار ہوتا اور پہلی مصیبت کو غنیمت گنتا۔

قبرستان

جب میں گورستان میں بڑے آدمیوں کی قبریں دیکھتا ہوں تو حسد کی ساری تحریکیں مجھ پر

میں پست ہو جاتی ہیں اور جب حسینوں کے گوروں کے کتبے پڑھتا ہوں تو تمام میری تمنا
آرزوئیں مرجاتی ہیں جب اولاد کی قبروں کی لوحوں پر پڑھتا ہوں کہ کیا کیا ماں باپوں نے دنیا
درد و جان گراں میں ظاہر کیا ہے تو مارے رنج کے میرا کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر جب اُن کی
والدین کی مدفنوں کو دیکھتا تھا تو دل میں کہتا ہوں کہ ناحق اونہوں نے اپنی تئیں اندوہ
والم میں گھلایا وہ تو چند روز میں اپنی اولاد کے پاس آ پہنچے جب میں بادشاہوں کی قبریں
اُن کے پاس دیکھتا ہوں جنھوں نے اُن کو معزول کیا تھا اور رقیبوں اور حریفوں کو پاس
پاس لیٹا ہوا دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور ان اولیا اور مقدس بزرگوں
پیوند زمین دیکھتا ہوں جنہوں نے اپنے اقوال اور رایوں کے اختلاف سے انسانوں میں باہم
قطع و فصل کا کھیت بویا تھا۔ تو مجھے حیرت ہوتی تھی کہ کیوں دنیا میں یہ سارے مباحثے مناظرے
گفتگوئیں لوگ کہتے ہیں۔ کسی قبر پر مرنے کی تاریخ کل کی اور کسی پر چھ سو برس کی لکھی
ہوئی تھی۔ جس سے میرے دل میں خیال آتا تھا کہ قیامت کے دن ہم سب ہم عصر ہو کر
آپس میں جمع ہوں گے +

(۲) ہر قوم کا قبرستان اپنی عالم خاموشی میں اس قوم کی خصائل کو بتلاتا ہے کہ وہ اپنی
قوم کے بزرگوں کو کس طرح یادگار رکھتے ہیں۔ کیسی کیسی عمارتیں اُن کے مقبروں کی بناتے
ہیں کیسے کیسے کتابے اور لوحیں لگاتے ہیں قبرستان کو بہت آدمی دیکھ کر بڑے غمزدہ
اور اندوہناک ہوتے ہیں مگر جو عاقل ہیں وہ اُس سے عبرت کا سبق لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی
حالت ایسی ہے کہ جس میں امیر غریب۔ گدا بادشاہ۔ جاہل عالم۔ عاقل احمق سب مٹی میں مل کر
برابر ہو جاتے ہیں وہ قبریں کھدتی دیکھتے ہیں کہ اُن میں مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہیں مگر یہ
نہیں پہچانی جاتیں کہ وہ کس کی ہیں بعض مزاروں کی لوحوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی زبان
میں لکھی ہیں کہ ہزاروں میں ایک بھی اُن کو پڑھ کر نہیں سمجھ سکتا کہ کیا ہے جیسے کہ مسلمان اپنی
قبروں پر قرآن شریف کی آیتیں کندہ کراتے ہیں جن کو سیکڑوں مسلمانوں میں شاید ایک دو

سمجھتا ہوگا کہ کیا لکھا ہے۔ بعض اشعار جو قبر کی لوح پر کندہ ہوتے ہیں اُن میں ایسا مبالغہ ہوتا ہے کہ اگر مردہ قبر میں سے اٹھ کر پڑھے تو سخت نادم ہو اور کہے جو اشعار لوح پر میری قبر وابستہ ہیں وہ مجھ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ بعض بے کمالوں کی قبروں پر لوحیں ایسی لکھی ہیں کہ مردوں کو صاحب کمال بتلاتی ہیں اور بعض صاحب کمالوں کی قبریں بے لوح پڑی ہیں غرض قبرستان بھی عاقل کے واسطے بڑی دلچسپ عبرت کی کتاب مطالعہ کے لئے

مرزا کا خواب

بغداد میں مرزا ایک بڑا نیک مرد اور متقی رہتا تھا۔ ہر چاند کی پانچویں تاریخ کو وہ تمام کام کاج چھوڑ کر سارے دن اپنے باپ دادا کے طریقہ کے موافق عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک ایسی ہی تاریخ کی صبح کو نہا دھو کر اُسنے نماز پڑھی۔ اور بغداد کے بلند پہاڑوں پر چڑھ گیا کہ وہاں نماز وعبادت میں سارا دن بسر کرے۔ یہاں ہوا کھا رہا تھا کہ اُسکے دل میں انسان کی زندگی کی ناپایداری کے خیالات پے بہ پے آنے لگے۔ اور یہ معلوم ہونے لگا کہ آدمی اصل سایہ ہے اور حیات اُسکی خواب ہے۔ ان خیالات سے دل بہلا رہا تھا۔ کہ قریب کے پہاڑ کی چوٹی پر جو نظر پڑی تو ایک آدمی نظر آیا کہ گڈریہ کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اور ہاتھ میں اُسکے نے تھی جب مرزا نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ نے بجانے لگا۔ اُس نے سے وہ صدا و جان فزا نکلتی تھی کہ مرزا نے کبھی سنی نہ تھی۔ اُس کی آواز اور سب آوازوں سے انوکھی تھی۔ اُسکے اور دُھن بھی نرالی تھیں اُس کو سُن کر مرزا نے جانا کہ بہشت میں جب نیک آدمیوں کی روحیں داخل ہوتی ہیں تو آسمان سے فرشتے ان کے استقبال کے لئے اترتے ہیں اور ایسے باجے بجاتے ہیں کہ جن کی صوت موت کے رنجوں کو جو انہوں نے اٹھائے تھے بھلا دیتی ہے۔ پس یہ وہی روح پرور آواز ہے۔

مرزا یہ بھی سُن چکا تھا کہ اس پہاڑ پر ایک جن نے نواز رہتا ہے جو یہاں آتا ہے وہ بانسری کے نغمے سنتا ہے۔ مگر یہ اب تک نہیں سنا کہ اُس نے نواز کی شکل کسی نے دیکھی ہو جب اُسکو میرے [illegible]

اس راگ نے یہ شوق پیدا کیا کہ ان نوازلی باتوں سے فیضیاب ہو۔ مرزا اور ... دیکھ کر
نے نواز نے بھی اُنگلی سے اشارہ کرکے اپنے پاس بلایا۔ مرزا اُسکے پاس نہایت ادب
شوق سے گیا اور جاتے ہی اُسکے پاؤں پر سر رکھ دیا اور رونے لگا۔ جن نے شفقت سے
اسکا سر پاؤں پر سے اپنے ہاتھ سے اُٹھایا اور مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مرزا میں نے
تیری ساری باتیں جو تو اپنے دل میں کرتا تھا سُن لیں۔ مرزا کو پہاڑ کی چوٹی پر ایک
جگہ جن لے گیا اور کنگرہ کوہ پر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ مشرق کی طرف دیکھ اور جو کچھ نظر آئے وہ مجھ سے کہہ
مرزا نے غور سے دیکھا تو ایک گھاٹی پُر نشیب دیکھی کہ اُس میں بڑے زور شور سے پانی کی سیل جاتی
ہے۔ اُس پر جن نے کہا کہ یہ جو گھاٹی دیکھتا ہے وہ غم کی گھاٹی ہے۔ اور یہ پانی کی سیل
ابد کی بڑی سیل کا ایک حصہ ہے۔ پھر مرزا نے اُس سے پوچھا یہ کیا وجہ ہے کہ میں جو اس سیل کے
اول اور آخر حصہ کو دیکھتا ہوں تو نہایت گہری گہر سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم
جن نے کہا کہ جو حصہ تو دیکھتا ہے وہ ابد کا ایک حصہ ہے جسکو ہم وقت کہتے ہیں جس کا پیمانہ
آفتاب ہے۔ وہی اس عالم کی ابتدا اور انتہا ہے۔ اب بتا کہ اس سمندر کے دونوں سروں پر
جو تاریکی چھائی ہوئی ہے اُس کے اندر کیا دیکھتا ہے۔ مرزا نے کہا کہ میں اُس کے اندر
ایک پُل دیکھتا ہوں جو سیل آب کے وسط میں بنا ہوا ہے۔ جن نے کہا کہ یہ پُل انسان
کی زندگی ہے۔ اب ذرا اور غور کرکے دیکھ۔ مرزا نے اُسے خوب گھور کرکے دیکھا کہ
کہ اس پل کی ستر محرابیں ہیں اور اُن کے ساتھ کچھ ٹوٹی پھوٹی اور محرابیں بھی ہیں یہ دونوں
ملکر محرابیں پل کی سو کے قریب ہوتی ہیں۔ مرزا محرابیں گن ہی رہا تھا کہ جن نے اُس سے
کہا کہ پہلے اس پل کی ہزار محرابیں تھیں مگر ایک طوفان عظیم میں اس کا بڑا حصہ بہ گیا اور
اُس کا یہ شکستہ حصہ جو تو دیکھ رہا ہے باقی ہے۔ مرزا کچھ اور بھی بتا جو تم نے دیکھا ہو۔ مرزا نے
کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ پل پر سے بہت سے آدمی عبور کرتے ہیں اور اُس کے دونوں سروں پر
ایک ابر سیاہ چھا رہا ہے اور لوگ پل پر چل رہے ہیں اُن میں سے ... بہت آدمی جو

پل نیچے چل رہی ہے پڑتے ہیں اور جب اور غور کی نگاہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سقف پل میں بہت سے دریچے ہیں جسکا پاؤں اس دریچے پر آجاتا ہے وہ سیل میں گر کر فنا ہوجاتا ہے یہ پوشیدہ دریچے پل کے اُس سر پر بہت تھے۔ آدمیونکا ازدحام بادلوں کی تاریکی سے نکل کر پل پر قدم رکھتا تھا تو ان میں سے بہت ان دریچوں پر قدم رکھکے گر پڑتے یہ دریچے بیچ میں کم تھے مگر پھر آخر سرے پر وہاں زیادہ ہوگئے تھے جہاں دروں کی محرابیں ثابت تھیں بہت تھوڑی راہ رو ایسے تھے جو آب آگے دروں کی ٹوٹی محرابوں پر چلتے تھے جن کو ہر وقت خوف لگا رہتا تھا کہ اب گرے اب گرے آخر کو سب اس لمبی رہ گزر کو طے کرکے تھک گئے اور گر پڑے۔

پس یہ سماں دیکھ کر مرزا کے دل میں خیالات کا جوش اُٹھا اور بہت سے مضامین دل میں آئے مرزا کا دل غم واندوہ سے بھر گیا کہ بہت سے آدمی اپنی خوشی اور مسرت کی حالت میں دفعۃً گر پڑے اور ہر چند سہارے کی تلاش کرتے ہیں کہ اُس کو پکڑ کر رک جائیں مگر کوئی نہیں ملتا اور وہ فنا ہوجاتے ہیں بعضے آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور نہایت غور و تامل کرتے تھے مگر وہ ڈوبتے ہی نظر سے غائب ہو جاتے تھے۔ ایک گروہ کثیر ایسا تھا کہ وہ حبابوں جو اپنی آنکھوں کے سامنے چمکتی ہوئی دیکھتے تھے اُن کی طرف دوڑتے تھے۔ مگر جونہی اپنے نزدیک اُن کے پاس پہونچ جاتے تھے۔ ان کا قدم پھسلتا تھا اور وہ نیچے گر کر فنا ہوجاتے تھے جب جن نے دیکھا کہ مرزا کو یہ غم انگیز حالت دیکھتے ہوئے دیر ہوگئی ہے تو اُس نے اِس سے کہا کہ تم کو پل دیکھتے ہوئے دیر ہوگئی ہے اب تم نگاہ کو اس سے ہٹالو اور کچھ اور تماشا دیکھ کر مجھ سے بیان کرو۔ مرزا نے جو نظر اُٹھائی تو بہت سے پرندوں کی ٹکڑیاں پل کے اوپر اُڑ رہی تھیں اور بار بار اُس پر بیٹھتی تھیں اُن میں کرگس۔ گدھ۔ زاغ۔ زغن اور بہت سی قسم کے پرند تھے اور بعض پردار چھوٹے بچے کے ہاتھ جیسے اڈے پر بیٹھتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ جن نے یہ کہا کہ یہ حسد۔ حرص و ہوس۔ باطل پرستی۔ مایوسی عشق اور اسی قسم کے اور اخلاق

بد ہیں جو موت سے پہلے آدمی کو نوچ نوچ کر کھانا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر مرزا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ خدا نے انسان کو کیوں بیفائدہ بنایا۔ زندگی میں یہ غم و اندوہ موت کے بعد وہ تکلیف و رنج۔ اُس کی جان کے پیچھے ہزاروں بلائیں لگی ہوئی ہیں ۔ ۶ آسودگی حرفیت نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے + یہ حال زار مرزا دیکھ کر جن کو بھی رحم آیا۔ اور کہا کہ اب پل کی طرف نظر نہ کر۔ یہ تو انسان کی ہستی کی اول منزل ہے جو اُس کو ابد کی طرف لے جاتی ہے۔ اب اس تاریک گھر کی طرف دیکھ جہاں سیل میں قومیں ڈوبی پڑی ہیں۔ مرزا نے حکم کے موافق وہاں نظر لگائی۔ معلوم نہیں کہ جن نے اپنی کرامت سے مرزا کی قوت باصرہ کو زور دیدیا یا کُہر کو پراگندہ کردیا۔ غرض وہ کُہر مرزا کی نگاہ کو مانع نہ ہوئی۔ مرزا نے دیکھا کہ وادی کا دوسرا سرا کشادہ ہے اور وہاں ایک بحر ذخار رواں ہے اور اُس کے اندر ایک ہیرے کا پہاڑ ہے جو سمندر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اُس کے ایک جانب میں ایسی کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا مگر دوسری جانب مطلع صاف تھا۔ سمندر شفاف تھا جسمیں بے شمار جزیرے تھے جسمیں پھل اور شجر باردار لگے تھے اور اُن کے گرد چھوٹی چھوٹی نہریں چمک رہی تھیں۔ پھر اُن جزیروں میں آدمی تھے جو امیرانہ لباس پُر تکلف پہنے تھے۔ سروں پر پھولوں کے سہرے لٹکتے تھے۔ کوئی کیاریوں میں گلگشت کرتا تھا۔ کوئی ندی کے کنارہ پر سوتا تھا۔ کوئی پھولوں کی سیج لگائے تھا۔ کوئی جانوروں کی نغمہ سرائی سنتا تھا۔ پانی جھرنوں میں جھڑتا تھا۔ آدمی سُریلی آوازوں سے گاتے تھے۔ اور باجے بجاتے تھے جب فضاء دل کشا اور روح افزا دیکھا تو مرزا کا دل باغ باغ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ کاش میرے بازو عقاب کے سے ہو جائیں کہ میں اُڑکر اِن جزائر میں چلا جاؤں۔ مگر جن نے کہا کہ اِن جزائر میں سوا موت کے دروازہ کے جانے کے کوئی اور رستہ نہیں ہے۔ تم نے پل پر ہر لحہ اِس دروازہ کو کھلا ہوا دیکھا ہوگا۔ یہ سرسبز و شاداب جزیرے جنسے سارا سمندر پٹا پڑا ہے اور تیری نظر سامنے

جہاں تک وہ جاتی ہے نظر آتے ہیں وہ تعداد میں سمندر ریت کے ذروں سے بھی زیادہ شمار میں ہیں۔ اور پھر اُن کے پیچھے جن کو تو دیکھ رہا ہے اور کروڑوں جزیرے ہیں جنکو تو دیکھ نخیال کر سکتا ہے وہ اہل خیر کے مسکن موت کے بعد ہیں وہ اُن کو اُن کی نیکی کے موافق ملتے ہیں جس قسم کی اور جیسی اُن کی نیکیاں ہوتی ہیں اُتنی ہی اُنکو ان جزیروں کی نعمتیں ملتی ہیں وہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں اور ان لوگوں کے مذاق کے موافق ہوتی ہیں جو اُن میں رہتے ہیں ہر ایک جزیرہ ایک بہشت ہے جو اُس کے رہنے والوں کی طبیعت کے موافق مرتب ہوتا ہے یہ مساکن بہشت ایسے نہیں ہیں کہ آدمی اُن کو نہ حاصل کرے اِس پل کا رستہ کیا برا ہے جس پر چل کر آدمی کو یہ نعمتیں ملیں۔ موت میں کیا خوف ہے جو تجھے ایسی بہشت میں لے جائے۔ زندگی میں کیا مصیبت ہے جو ایسی راحت جاودان دلائے۔ پس تو اب نے اس خیال کو بھلا دے کہ خدا نے انسان کو کیوں بیکار پیدا کیا ہے مرزا ان جزائر کے دیکھنے سے ایسا خوش ہوا کہ وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اب اُس نے جن سے بہت عجز و نیاز سے کہا کہ وہ راز کی چیزیں بتاؤ جو اس ہیرے کے پہاڑ کے اُس طرف ہے جہاں ظلمات ہی ظلمات ہے۔ جن نے اِس سوال کا جواب کچھ نہیں دیا تو پھر مرزا نے دوبارہ سوال کیا تو اُسے معلوم ہوا کہ جن اس پاس سے چلا گیا۔ اب جو وہ دیکھتا ہے نہ وہ سیل ہے نہ پل ہے نہ وہ جزائر فرحت افزا ہیں۔ غرض وہاں سوا و بغداد کے کہا رکے کچھ اور نہیں ہے جس پر بیل بھیڑیں۔ اونٹ چر رہے ہیں ✦

خوشامدی و خوشامد

خوشامدی فارسی لفظ ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ دوسرے آدمی کی ایسی تعریف کرے کہ وہ خوش ہو جائے خوشامدی وہ شخص جو خوشامد کرے۔ مگر جس انگریزی لفظ کا یہ ترجمہ کیا جاتا ہے اُس کے حقیقی معنی بے وجہ قبول کرنے والے کے ہیں اور مجازی معنی جھوٹی تعریف کرنے والے کے۔ خوشامد میں یہی ہوتا ہے کہ خوشامدی دوسرے آدمی کی سب باتوں کی

اُس کا خوشامد تمنا کرتا ہے اور کسی بات سے انکار نہیں کرتا۔ یا جھوٹی تعریف کرتا ہے۔

(۱) خوشامدی سب مکاروں کا سردار ہوتا ہے اس سے ہشیار رہو۔ وہ تجھے احمق و بیوقوف بناتا ہے۔ وہ تیرے نقصوں کو کامل کرتا ہے۔ تمام برائیوں کے کرنے پر تجھے ہمت دلاتا ہے کسی بات میں تیری اصلاح نہیں کرتا۔ وہ مکر و فریب سے تیری بدکاریوں پر وہ رنگ چڑھا دیتا ہے کہ نیکی و بدی کی تمیز میں تیری عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ انسان سب سے زیادہ آپ اپنی خوشامد کرتا ہے اور اُس سے اپنا دل خوش کرتا ہے۔ جب اوروں کی خوشامد کا اثر اضافہ ہوتا ہے تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوشامدیوں کے ساتھ جو حقیقت میں ہماری دشمن ہیں وہ محبت و مہربانی کرنے لگتا ہے اور یہی ہماری محبت ہم کو بتلاتی ہے کہ ان خوشامدیوں پر مہربانی کرنا حق اور انصاف ہے جو ہماری باتوں کو ایسا اچھا سمجھتے ہیں اور اُن کی اتنی قدر کرتے ہیں۔ کبھی آدمی کو اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنی نہیں چاہیے اس سے آدمی احمق شیخی باز معلوم ہوتا ہے۔ جب دیانتدار اور راست باز تمھاری وہ تعریف کریں جس کے تم مستحق ہو اور وہ تمکو تمھاری خطائیں بھی بتلائیں تو تم خوش ہو۔ خوشامدیوں میں کوئی نیکی نہیں ہوتی کوئی دنیا میں اِن کی برابر کمینہ نہیں ہوتا۔ مگر وہ شخص جو خوشامد پسند ہوتا ہے۔ خوشامد کا شوق کمینہ اور نالائق عیبوں سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ خوشامد کرنے والا کمینہ پاجی ہوتا ہے ایسا ہی جو خوشامد کی خواہش کرتا ہے وہ پاجی کمینہ ہوتا ہے خوشامدی ہم میں وہ اوصاف بتاتا ہے جو درحقیقت ہم میں نہیں ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہم میں معلوم ہوں اس شوق کے سبب سے اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کر دیتے ہیں اور اُن کی باتیں دل کو بھاتی ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ خوشامدی ایک ایسا جانور ہے کہ ہنس کر ہم کو کاٹتا ہے۔ بقول حضرت [illegible] کے کہ جو تمھاری تعریف کرتے ہیں وہ تمکو خراب کرتے ہیں اور تمھارے قدموں کے آگے کا رستہ بگاڑتے ہیں وہ جو اوروں کے اوصاف تم میں لگاتے ہیں تو وہ ایسے ہی ناموزوں ہوتے ہیں جیسے دوسروں کے کپڑے

اندر وہ عورتی کی شیرینی خوب شکر کی طرح مل جاتی ہیں۔

(۴) سچی تعریف کرنی بنسبت جھوٹی تعریف خوشامد کرنے کے بہت آسان ہے۔

(۵) جب ایک شخص سے یہ کہا جائے کہ تیری طبیعت خوشامد پسند نہیں ہے اور وہ کہے کہ ہاں یہ بات مجھ میں ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بڑا ہی خوشامد پسند ہے۔ خوشامد ایک چھہ حرفوں کا مجموعہ ہے جسکا رواج ہم میں ہوگیا ہے۔ وہ ایک ہلکا سکہ ہے جو ہم میں چلتا ہے۔ ایک چمکیلی اور بھڑک دار تعریف ہے۔ خوشامد سے بدتر کوئی بداخلاقی نہیں اگر کسی تمام گروہ کی تعریف کی جاتی ہے تو کوئی خوش نہیں ہوتا اور ان میں سے ایک وہ کی خوشامد کرو تو باقی سب کو ناگوار ہوتی ہے۔ خوشامد کی چکنی چپڑی باتیں بیوقوف کیا کرتے ہیں یا شریر جب ان کو کسی کے شکار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ راست بازی کے لئے زیور و لباس کی ضرورت نہیں +

(۶) خوشامد بھی ایک عالم پر فرمانروا ہے۔ اسکو گالیاں بھی دیتے ہیں اور اسکی خوشامد بھی کرتے ہیں اس پر تبرا بھی بھیجتے ہیں اسے تولا بھی کرتے ہیں۔ آدمی کے دل میں اپنی تعریف ہوتی ہے خوشامد اسکی گونج کو سینہ کے اندر بڑھا کر جادو کا سا اثر کرتی ہے۔ یہ خوشامد ہی کا کام ہے کہ تیوری پر سے بل کو اتار دے۔ چہرہ پر سے غصہ کو مٹا دے۔ خاموش غضب کو بلا دے۔ ظالم کے ہتیار اتروا دے۔ باپ کے عتاب کو دور کردے۔ کنجوس منحوس کی جیب سے پیسا دلوا دے۔ جہاں جو کام سونا نہ کرسکے وہ یہ کرکے دکھا دے۔ خوشامد کی آنکھوں میں دیکھ کر آدمی وہ کام نہیں کرسکتا جو اسکے نرم اور ملائم الفاظ کرسکتے ہیں اسکی راگنی میں آدمی کو وہ مزہ آتا ہے کہ نہ کسی خوش گلو کے گانے میں نہ کسی باجے کی خوش آیند آواز میں جیسا وہ دل کو پگھلا کر نرم کردیتی ہے ایسی کوئی اور چیز نہیں کرتی +

(۷) خوشامد ایک منقش ہتیار ہے جو دیکھنے کے سوا کسی کام کا نہیں خوشامد شریروں کی دایہ ہے نیک کاموں کے لئے زہر ہے صحبت بد ہی نیکی کی زمین کے اندر قاتل ہاتھوں سے

اسکے زہریلے بیج بوئے جاتے ہیں اور غرور انکو نشو ونما دیکر امید کے سبز سبز باغ دکھا دیتا ہے اور بہار زندگی کو کہو دینے کے اناج پیدا کرتا ہے +

(۸) خوشامد کی قیمت میں جب عقل و نیکی دی جاتی ہے تو وہ مول لی جاتی ہے۔ یہ خریداری کیسی مہنگی ہے۔ کہ ایسی بیش بہا چیزوں کے عوض میں ناچیز چیز خریدی جاتی ہے۔ پس دعا مانگو کہ درندے حیوانوں میں ظالم سے اور لبھی جانوروں میں خوشامد سے خدا تعالے بچائے۔ ہمارے بیچ خوشامد کی بیماری خدا نہ لگائے۔ وہ بڑا مہلک مرض نفسانی ہے وہ ایک ایسا مادہ فاسد پیدا کر دیتا ہے جو ہر بدی کی وبا کو پھیلاتا ہے +

(۹) خوشامد کی اصل۔

ارباب بصیرت خیال کرتے ہیں کہ ہر ایک ملک میں ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ سب آدمی وہاں برابر تھے اُن میں کوئی کمتر تھا نہ برتر۔ نہ اُن میں کوئی درجہ و مرتبہ رکھتا تھا نہ کوئی دولت و مال کے ساتھ مخصوص تھا۔ پس جب یہ حالت ہو تو اس امر کا یقین کرنا قرین عقل ہے کہ ہر شخص سے محبت اتنی ہو گی جتنی وہ اپنی محنت۔ لیاقت۔ ہنر سے مایحتاج ضروریہ بہم پہنچاتا ہو گا۔ پس ایسی حالت میں نفرت نہ رغبت تلون کے ساتھ تھی وہاں مہربانی فائدوں کا معاوضہ تھا لیکن جب قوت حکمت۔ دانش۔ دولت۔ مال دنیا میں داخل ہوئی۔ تو بہت سے آدمی چند آدمیوں کی خدمت کے لئے اور اُن کے اسباب آسائش کے بہم پہنچانے کے واسطے مجبور ہوئے۔ پس جب دولت و مال ضرورتوں سے زیادہ پاس ہونے لگا تو انھوں نے اپنے فضول مال کو اپنے عیش و نشاط میں صرف کرنا شروع کیا۔ پس جو لوگ کسی خدمت کے سبب سے اُن کے دوست نہ بن سکے تو انھوں نے اپنے مطلب حاصل کرنے کے واسطے خوشامد کی باتیں پیدا کیں کہ جنسے وہ اُن کے درباروں میں داخل ہو کر ان کی خوشی زیادہ کریں۔ انسان کی آرزوئیں جتنی ہوتی ہیں وہ سب نہیں حاصل ہوتیں انسان کے تصور کا عالم ایسا فراخ ہے کہ جو اُس میں سوچا ہے وہ سب حاصل نہیں ہوتا

اسیواسطے بہت سے آدمی اپنے مقسوم پر راضی نہیں ہوتے اور جو شخص اپنی حالت کو دوسرے کی مہربانی سے بہتر کرنا چاہتا ہے اور اپنے میں وہ اعلیٰ درجہ کی لیاقتیں نہیں رکھتا کہ اپنے رقیبوں پر سبقت لے جائے تو وہ اور تدابیروں میں کوشش کرتا ہے جنسے کہ وہ پسندیدہ ہو جائے گو بزرگ نہ بنے - اور بہ تدریج وہ فن اوروں کے خوش کرنے کا وہ سیکھتا ہے یعنی خوشامد اور اسی فن کو بزرگ ترین تحصیل علم و ہنر جانتا ہے -

یہ فن اتنا ہی لوگ سیکھتے ہیں جتنا وہ فائدہ پہنچاتا ہے - اسلئے یہ فن وہیں سرسبز ہوا جہاں اسکی قدر و منزلت زیادہ ہوئی اور اہل فن کو منفعت زیادہ پہنچی - یہی وجہ ہے کہ حکومت شخصی جہاں بھی وہاں وہ بہت محنت و شوق سے سیکھا گیا - کیونکہ وہاں ساری دولت و عزت حکومت شخص واحد کے ہاتھ میں ہوتی ہے یہ اصل خوشامد کے پیدا ہونے کی جڑ +

قومی ساکھ

میں ایک ادہر ادہر سیر گشت کرتا پھرتا تہا کہ ایک بنک پر جا پہنچا - اسکے عالی شان کمرہ میں داخل ہوا - وہاں ڈائرکٹر حسابوں کی جانچ پڑتال کر رہے تھے - سکرٹری بہی کہاتے کہولے بیٹھے تھے - کلرک قلم برابر چلا رہے تھے - یہ حال دیکہکر میں بہت خوش ہوا اور مجھے وہ ساری تدبیریں جو قومی ساکھ کے بحال ہونے کی سنا اور پڑہا کرتا تہا اور یہ اپنی رائے کہ ان تدابیر میں ناکامی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ہر گروہ اپنے نفع اور اپنی طرفداری کے اصول پر ان کو مبنی کرتا ہے - یاد آگئیں غرض سارے دن میں اسی خیال کی ادہیڑ بن میں رہا کہ رات کو جو سویا تو خواب میں پہر مجھے یہ نظر آیا کہ میں وہاں پہر اس عالی شان کمرہ میں گیا ہوں وہاں وہ کارکن تو موجود نہ تھے مگر صدر مقام میں ایک زریں تخت بچہا ہوا ہے - اور اس پر ایک مہ پارہ جلوہ افروز ہے - لوگوں نے اس کا نام قومی ساکھ بتایا - کمرہ کی دیواروں پر نقشے اور تصویروں کے بجائے قوانین شاہی اس نازنین کے نگاہ کے روبرو لٹک رہے ہیں + انکو وہ دیکہہ دیکہکر مسکراتی ہے اور خوش ہوتی ہے - مگر جب کوئی چیز ان قوانین میں خلاف

اُسکو معلوم ہوتی تو اُسکے چہرہ پر آثار و ملال نمایاں ہوتے ہیں وہ اپنی نزاکت کے سبب
ڈرپوک بڑی تھی ایک شخص جو اس کا خیر خواہ نہ تھا یہ کہتا تھا کہ اسکو ایک مرض دماغی ایسا ہے
کہ اسکو شکلیں نظر آتی ہیں ہر ایک بات کے سننے سے وہ چوک چوک پڑتی ہے۔ اور چہرہ
بدل جاتا ہے۔ اسکی برابر کوئی دائم المریض عورت نہیں دیکھی۔ طرفۃ العین میں اُس کی
حالتیں بدلتی رہتی ہیں اُسکے جسم کی تر و تازگی دم بھر میں پژمردہ ہو جاتی ہے چہرہ پر
ایک رنگ آتا ہے دوسرا جاتا ہے۔ ابھی خاصی بھلی چنگی بیٹھی تھی کہ دفعۃً مُردہ کی صورت
ہو گئی میں اس تغیر حالت کی سیر دیکھ رہا تھا کہ اُسکے پاؤں کے پاس دو سکریٹری بیٹھے نظر
آئے جنکے پاس دُنیا کی چاروں طرف سے چٹھیاں آتی تھیں اور وہ اُس نازنین کو پڑھ پڑھ
کے سُناتے تھے۔ کسی چٹھی کے سُننے سے اُسکے چہرہ پر اُداسی چھا جاتی تھی۔ جان پر بن جاتی
تھی۔ پھر کسی دوسری چٹھی کے سُننے سے اُسکی جان میں جان آجاتی تھی۔ تخت کے پیچھے
ایک انبار روپیوں کی تھیلیوں کا چھت تک لگا ہوا تھا۔ دائیں بائیں سونے کی
اینٹوں کے مینار چنے ہوئے تھے۔ میں اس نازنین کی یہ صفت سنکے او متعجب ہوا کہ
جس چیز کو چھوتی ہے سونا بنا دیتی ہے گویا کہ سنگ پارس ہے۔ قاعدہ ہے کہ خواب کے اندر کچھ
سرگرانی بھی ہوا کرتی ہے وہ مجھے بھی ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کھٹ سے دروازہ
کھلا اور کمرہ میں ہل چل مچی۔ چھ مہیب دیو دو دو کی صف باندھے ہوئے ناچتے ہوئے
داخل ہوئے۔ ان کی دہشت ناک شکل میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی
گو اُن کی ظاہری صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں اختلاط دلی ہوگا۔ مگر دو دو
ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ایک صف میں ظلم و بدعملی۔ دوسری صف میں تعصب و
الحاد تیسری صف میں سلطنت جمہوری اور ایک نوجوان بائیس برس کا جسکا نام میں
نہیں جانتا۔ اُسکے ہاتھ میں تلوار تھی جو قانون بندوبست پر وہ ناچنے میں بار بار چلاتا تھا
اور ایک شہر کا باشندہ مجھسے کہتا تھا کہ اُس کے ایک ہاتھ میں اسفنج تھا جس سے وہ قومی قرض کو

صاف کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ وہ ہیبت ناک صورتیں تھیں کہ اگر ایک بھی اس پاکیزہ نازنین کو دکھائی دیتی تو دم نکل جاتا۔ اب یہ تو ایک گروہ تھا۔ ان کے دیکھتے ہی غش آگیا۔ رخساروں کے گل زرد ہو گئے۔ روح فنا ہوئی۔ اسکے دم نکلتے ہی ایک عجیب انقلاب ہوا کہ وہ روپیوں کی تھیلیوں کا جو ایک پہاڑ لگا ہوا تھا اس کا بہت سا حصہ اڑ گیا۔ کوئی دسواں حصہ باقی رہا ہوگا۔ مگر تھیلیاں ہوا سے بھر گئیں اور بدستور جگہ گھیرے رہیں سونے کے مینار کاغذوں کے ڈھیر ہو گئے +

یہ تباہ حال دیکھ کر میں چیخیں مارنے لگا تو سماں بدل گیا اور وہ سارا سامان میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ پھر ایک اور تماشا نظر آنے لگا کہ پریوں کا ناچ ہو رہا ہے ان میں ایک آزادی تھی جسکے دائیں ہاتھ کی طرف بادشاہی تھی۔ دوسری طرف اعتدال تھا جسکے ساتھ مذہب تھا۔ اور ایک شخص تھا جسکو میں نہیں جانتا اسکے ساتھ گریٹ برطانیہ تھی ان کے آتے ہی اس باکرہ نازنین میں پھر جان آگئی۔ تھیلیوں کا انبار اور سونے کے مینار بدستور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ایسا خوشی کا جوش مجھ میں اٹھا کہ آنکھ کھل گئی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں کیوں جاگ اٹھا۔ کاش پھر سو جاؤں اور یہ خواب دیکھوں +

دنیا میں راست بازی و دیانت پر ذہانت و ذکاوت کو ترجیح دی جاتی ہے

سورج کے نیچے دنیا میں کوئی برائی اسکی برابر نہیں ہے کہ آدمی اپنی سمجھ کو بری طرح کام میں لائے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا میں اس برائی کی برابر کسی دوسری برائی کا رواج نہیں ہے۔ میں نے عورت مرد اور سب صنعت کے آدمیوں کو خوب دیکھا کہ ان میں کوئی مشکل سے ایسا آدمی ملے گا کہ وہ اپنی عقل و ذہانت کی شہرت سے اپنی صداقت و دیانت کی شہرت کو بھلا جانتا ہو یہی اصل بہت سی برائیوں کی انسان میں ہے۔ کہ وہ عاقل ہونے کو بہ نسبت راست باز ہونے کے اور ذکی ہونے کو بہ نسبت نیک کردار ہونے کے زیادہ چاہتے ہیں۔ ذہین آدمیوں کی

تصنیفات اور اِن کی اندھی تقلید سے آدمیوں کے دلوں پر یہ جھوٹے نقش منقش ہوتے ہیں
بعض صاحب کمال اور پرلے درجے کے ذہین ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کل اپنے واقعات
متعلقہ پر ایسی نازک خیالیاں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بدنامی اور سزا کے سزاوار ہوتے ہیں
وہ اوروں کو بھی ایسی نصیحتیں کرتے ہیں جیسی کہ خود ان کو دل لگی کی باتیں جس نے اُن کی
عقل کی تیز دھار کو کند کر دیا ہے۔ سو وہ برائی اور حماقت کو دیکھ کر ایسے پریشان خاطر نہیں ہوتے
جیسے کہ عبادت اور کودن پن کو۔ ایک شخص کی رائے ہے کہ ایسے ذہین آدمیوں کو پھانسی
دینی چاہیے کہ جنکی ذہانت سے برائی پھیلے۔ کوئی شیطان اُن کی برابر نہیں اُن کا حال
مفلوج کا سا ہے کہ آدھا جسم اُن کا مردہ ہے۔ اگرچہ وہ اپنی دولت۔ جاہ۔ تصنیف سے عزت
اٹھاتے ہیں مگر وہ نیک نیتی محبت دوستی عصمت کے مزوں سے ناآشنا ہیں۔ یہ لوگ اس
فقیر سے بدتر ہیں جسنے اپنی ٹانگ اسلئے توڑ ڈالی تھی کہ بھیک میں مزے کے کھانے ملیں
دنیا میں رہنے کا لطف یہ ہے کہ سب آدمیوں کے ساتھ چلے اور ہر ایک آدمی ایسا بڑا کام
کرے جس سے سب کا بھلا ہو۔ گو کوئی کام بے برائی سے کیا جائے مگر وہ مقتضائے
عقل اور بفحوائے شرع و شرافت ہو۔ بغیر اسکے آدمی کی چال درست نہیں۔ وہ چلتا نہیں
بھٹکتا ہے عقل چاہیے کہ ہوائے نفسانی و جذبات روحانی کو منضبط کرے اور اُن پر
فرمانروا ہو۔ مگر ہم اسکے برعکس محکوم دیکھتے ہیں کچھ ضرور نہیں کہ جو عاقل ہو وہ نیک افعال
بھی ہو۔ یہ حال کچھ خاص آدمیوں کا نہیں ہے بلکہ وہ تو کنوے کی بھنگ ہے جس میں سب
مبتلا ہیں یہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمانہ جتنا خلیق ہوتا ہے اُتنا ہی نیکی سے خالی ہوتا ہے
اس کی وجہ ہے کہ انسان پر یہ حماقت چھائی ہوئی ہے کہ ذکاوت و علم کو فی نفسہ
لیاقت جانتے ہیں اور یہ کچھ نہیں دیکھتے کہ وہ کن کاموں میں کام آتی ہے۔ یہ ایک
دستور پڑ گیا ہے کہ ہم یہ زیادہ دیکھتے ہیں کہ کوئی کیا کرتا ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ وہ کس طرح
کرتا ہے۔ یہ بڑی شرم اور ذلت اور ڈوب مرنے کی جگہ ہے کہ آدمی اپنی عمدہ ذکاوت

لیاقت۔ قابلیت۔ اس طرح کام میں لائے گا اور آدمیوں کو اُن کی بُرائیوں اور بدکاریوں میں خوش کرے۔ نیچر عقل آدمی کو ایک طرف اپنی راہ چلنے کا حکم دیتی ہے۔ جذبہ۔ مزاج دوسری طرف اپنے طریقہ پر۔ یہ پچھلا طریقہ ایسا بے حد و نہایت ہے کہ کسی طرف ختم نہیں ہوتا۔ اور نہایت پیچدار ہے پہلی طرف کی راہ نہایت خوشنما۔ دل افزا ہے جس مقصد پر پہنچنا چاہو آسانی سے پہنچ سکتے ہو۔ لوگ اپنے انداز اور وضعداری پر ایسے مرتے ہیں کہ عقل مستقیم اور مذہب کی طرف کچھ خیال نہیں کرتے۔ انسان کے سب کاموں کی بنا عدالت و خدا پرستی پر قائم ہونی چاہیئے۔ اُسکے برخلاف وہ اپنے دل کی خواہش پر رکھتا ہے۔ اور اُس سے خوش ہوتا ہے اور اسی کو مستحسن جانتا ہے۔ تم کسی چیز کو تحسین و آفریں کے قابل نہ جانو جب تک کہ نیچر تم کو اس کا حکم نہ دے۔ مثلاً ہر قسم کے بزرگوں کی تعظیم کرو یہ ایک نیچر کا حکم ہے مگر تم دیکھتے ہو کہ جوان بوڑھوں کی کیسی مٹی عزیز کرتے ہیں اور کیسی اُن کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایتھنز میں ایک تماشا تھا اُس میں ایک بوڑھا دیر کر آیا۔ اپنے لیے جگہ ڈھونڈھتا تھا کہ ایتھنز کے نوجوانوں نے اشارہ کیا کہ آپ ہمارے پاس آئیے تو جگہ دیں جب یہ کہن سال ان نوجوانوں کے پاس گیا تو وہ اور پھیل کر بیٹھ گئے اور بڑے میاں پر ہنسنے لگے۔ جگہ نہ دی وہاں سے وہ پھر کر اہل سپارٹا کی بنچوں کی طرف گیا۔ تو وہ اُس کی تعظیم کے لیے سرو قد کھڑے ہوئے اور بڑی آؤ بھگت سے بٹھایا۔ جب اہل ایتھنز دیکھ کر سخت نادم ہوئے دل میں اہل سپارٹا کی نیکی کا اثر ہوا۔ پیر دیرینہ سال نے پکار کر کہا کہ ایتھنز والے نیکی کو سمجھتے ہیں اور اہل سپارٹا اُسکو کرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں بڑے عمر کے آدمیوں کی ایسی عزت و تعظیم ہوتی تھی کہ اگر کوئی نوجوان بوڑھے کے لیے اپنی جگہ نہ خالی کرتا تھا وہ ناخدا پرست سمجھا جاتا تھا۔

جلسے و صحبتیں

کبوتر با کبوتر باز با باز
کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

شیر شیروں ساتھ اور بھیڑ بھیڑوں کے ساتھ مل کر اپنی حفاظت اور اوروں پر حملہ کرتے ہیں۔
انسان مدنی الطبع ہے اُسکو جب موقع ملتا ہے وہ اپنی صحبتیں۔ جلسے۔ کلب قائم کرتا ہے
جب کبھی کسی گروہ ہم طبع ہم جنس آدمیوں کا جمع ہوجاتا ہے تو وہ اپنی صحبت وجلسہ کا کوئی
وقت اور کوئی دن مقرر کرتے ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ اُن میں آپس میں مماثلت بہت خوشنما
ہے۔ اِن جلسوں میں کوئی غیر جنس شریک ہوتا ہے تو بار خاطر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بہت سے
کلب ایسے ہیں کہ وہ مخصوص انگریزوں کے ساتھ ہیں اُن میں ہندوستانیوں کو نہیں شریک
کرتے۔ اسلئے کہ وہ اُنکے غیر جنس ہے۔ کوئی ہندوستانی اُن میں شریک جب ہی ہو سکتا ہے
کہ اُن کا ہم جنس اپنے تئیں بنالے +

(۲) لڑکوں کی کوئی بدنصیبی اِس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ کمینے اور پاجی آدمیوں کی
صحبت میں بیٹھنے لگے۔ جو لڑکا اپنے سے کمتر آدمیوں میں بیٹھنے لگے گا وہ نیچا ہوتا جائیگا
اور آخر کو ایسا ڈوب جائیگا کہ پھر تیر کر نہیں اُبھرے گا۔ تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ جیسا آدمی کا
دل جلد فساد پر آمادہ ہوجاتا ہے ایسا جلد وہ صلاح پر نہیں آتا۔ جیسا ایک اشراف کو پاجی بننا آسان ہے
ایسا پاجی کو اشراف بننا سہل نہیں ہے۔ بُری صحبت کا اثر ایسا ہوتا ہے جیسے کہ رنگ کی
کالک کا اثر کپڑوں پر آسانی سے ہوتا ہے اور مشکل سے چھوٹتا ہے ایسا بُری صحبت کا اثر
جلد آسانی سے ہوتا ہے اور دشواری سے جاتا ہے۔ بعض لڑکوں کی طبیعت میں کمینگی ہوتی ہے
اُنکو بالطبع رذیلوں کی صحبت پسند ہوتی ہے۔ خواہ اُنکو کیسی تعلیم دی جائے۔ وہ مدرسہ
میں بھی جائینگے تو رذیل قوموں کے لوگوں کو اپنا یار بنا کے کھائینگے۔ بعض کو تعلیم نہیں ہوتی
اسلئے وہ بُری صحبت میں بیٹھتے ہیں بعض کو غرور ایک قسم کا ہوتا ہے کہ وہ اگر اپنے ہمسروں
میں بیٹھیں تو اُنکی عزت وہ نہیں ہوتی جو ذلیلوں میں بیٹھنے سے ہوتی ہے۔ اِس لئے
وہ اُن کی صحبت کو اختیار کرتے ہیں +

بدصورتی

بدصورت کو بناؤ سنگار زیبا نہیں

ہم اپنی صورت جسمانی آپ نہیں بناتے۔ وہ قدرت ہی سے بُری یا بھلی ملتی ہے۔ انسان کو اُسپر افسوس نہیں چاہیے کہ ہائے کیوں میں بدصورت یا ناقص الاعضا پیدا ہوا۔ اسمیں اُسکی کچھ خطا نہیں ہے۔ یہ اُس کی راست بازی بڑی تحسین کے قابل ہے کہ وہ اپنی بدصورتی کا قائل ہو اور اپنی صورت کے عیبوں اور نقصوں کو دیکھکر شرمندہ نہو۔ اُس کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنی بدصورتی کے مٹانے کے لئے گھنٹوں آئینہ رکھکر سو طرح بناؤ سنگار میں تضیع اوقات کرے۔ اُسکو اپنی صورت زشت پر قناعت و صبر چاہیے۔ اور کبھی کوئی خیال اس قسم کا دل میں آنے دے جس سے رنج ہو۔ نامعقول آدمیوں کا قاعدہ ہے جہاں اُنھوں نے دیکھا کہ کسی کی آنکھیں بیٹھی ہوئیں۔ ناک چپٹی۔ ہونٹ موٹے۔ دانت نکلے ہوئے۔ مُنہ ٹیڑھا۔ قد لمبا یا بہت یا چھوٹا یا ٹھنگنا تو وہ بے اختیار ہنستے ہیں۔ ایسی حالت میں بدصورت کو چاہیے کہ وہ اُنکے ساتھ ہنسی میں شریک ہوجائے اور اپنی صورت کی ہجو خود بنا لے۔ پھر نہ کوئی اُسپر ہنسے گا نہ اُسکی صورت کی کوئی عیب لگاکے بے ہنگم بتائے گا۔ بدصورتوں پر لوگوں کو جب ہنسی آتی ہے کہ وہ اپنے تئیں خوبصورتوں میں گنتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی بدصورتی پر زیبائش و آرائش کا ملمع کرتے ہیں۔ کہ ہم خوبصورت پری نژاد معلوم ہوں۔ یہ حماقت اُن کی قلعی کھول دیتی ہے اور اُس پر بہ نسبت صورت کے لوگوں کو زیادہ ہنسی آتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ خدا نے جیسی صورت بنائی ویسی رہنے دیں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ زنگی کی سیاہی برف سے تھوڑی جا سکتی ہے۔ اپنی بدصورتی کا تسلیم کرنا لباس حسن سیرت ہے کہ زشت صورتی کے عیب کو مٹا کے خوب صورتوں سے بھی اچھا بنا دے گا

مذہبی۔ طبابت۔ وکالت کے پیشے

اتنی جگہ کہاں ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کو لا کر بٹھا سکے۔ اس خیال سے دل گھبراتا ہے اگر مذہب۔ وکالت۔ طبابت کے پیشے وروں کی کیسی کثرت ہے۔ مذہبی پیشے والے مولوی ملا

[illegible]

اسلئے وہ ترت پھرت جلدی ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے تھے - ان قواعد داں سپاہ سے سوا آخر کی بعض
تحصیل سپاہی ہوتے تھے جن کے نام سپاہ کی فہرست میں نہیں ہوتے تھے - وہ بھی دو ایک
راہ چلتوں کو سنگوا دیا کرتے تھے -

بعض علما کو جب مریض نہیں ملتے تو وہ کیمیا کے نسخوں کے بنانے میں اور معجونوں کے بنانے
میں دل لگاتے ہیں اور اپنا وقت سرسوں کے پیسنے میں صرف کرتے ہیں ان تینوں قسم کے
پیشہ کرنے والوں کی کثرت سے ملک میں بڑی خرابیاں پھیل رہی ہیں - یہ تینوں پیشے ایسے
دشوار اور مشکل و معزز و معظم ہیں کہ اگر اُن کے کرنے والوں کی تعداد سمندر کے ریت کے ذروں
کی برابر ہو جائے تو بھی اُن میں صدہا بے بہا دو چار ہی نکلینگے -

(۲) اشراف بھلے مانسوں کو اکثر شوق ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان تین پیشوں میں سے
کسی پیشے کو سکھائیں - اور اُن کو معزز بنائیں - مگر اکثر وہ اپنی امیدوں میں ناامید ہوتے ہیں
ان پیشوں کے میدانوں میں اتنے دوڑنے والے ہیں کہ بہت ہی تھوڑے ایسے ہوتے
ہیں کہ اُن میں آگے نکل جاتے ہیں مقدمات و نالشیں اتنی نہیں ہیں کہ وکلا و مختاروں کے واسطے کافی
ہوں - نہ بیمار اتنے ہیں کہ طبیبوں کے لئے کام موجود ہو - غرض اس کثرت نے ان پیشہ وروں میں
طرح طرح کے عیب پیدا کر دیئے ہیں - وہ اپنے معمولی قواعد سے کام نہیں چلا سکتے - وہ اپنی
تعریفوں کا اشتہار اخباروں میں چھپواتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہم اوروں کی نسبت کام کرتے
ہیں غرض جیسے اور سوداگر اور ادنی اہل حرفہ و پیشہ اپنے کام چلانے کے لئے کام کرتے
ہیں وہی یہ معزز پیشے والے کرتے ہیں عدالت میں ایک مقدمہ آتا ہے کہ ایک وکیل کہتا ہے
ہم کو چالیس روپیہ دو تو دائر کر دینگے - دوسرا کہتا ہے کہ بیس ہی دیجئے - طبیب ہیں دوائیں بیچنے
کے لئے سر پر لئے پھرتے ہیں اور دکانیں لگائے بیٹھے ہیں - گاہکوں کو پکارتے ہیں جھوٹے
اشتہاروں کو مشتہر کرتے ہیں جو خاندانی طبیب تھے اُن کے شجرہ خاندان میں اور پیشوں کی
قلمیں لگتی چلی جاتی ہیں حکیم زادے اور نوکریاں کرتے ہیں گو ان پیشوں میں اہل پیشہ کی

لشرت نے ان کی قدر و منزلت کم کر دی ہے مگر بعض انہیں ایسے کامیاب نظر آتے ہیں اور ان کی
کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو یہ پیشے سکھا کر جنٹل مین بنائیں مگر اکثر انہیں ایسے ناکام رہتے
ہیں کہ اولاد ماں باپوں کو بد دعا دیتی ہے کہ ہم کو از یں سو رانده و زاں سو ماندہ بنایا ہے۔ کوا چلا ہنس
کی چال وہ اپنی چال بھی بھولا۔

ہجو و مذمت

جب بدطینت آدمیوں میں اہانت اور مذمت کرنے کی لیاقت ہوتی ہے تو وہ ہر استم کرتے ہیں
اور زہر اگلتے ہیں یہ بدنہاد اپنے قریب کے رشتہ داروں معزز خاندانوں۔ نیک نام نام آوروں
کی ہجو میں فصاحت و بلاغت خرچ کر کے دل آزاری کرتے ہیں اور اپنے تئیں چھپا کر وہ زہریلے
تیر نیک آدمیوں پر لگاتے ہیں کہ وہ اُف نہیں کر سکتے۔ اندر ہی اندر ان کا کلیجہ ایسے زخموں
سے چھد تا ہے کہ جنکے اچھے ہونے کی امید نہیں ہوتی ایسی وحشیانہ ذہانت پر لعنت ہے
کہ کسی خاص آدمی کی دل آزاری کرے۔ یہ ستم شعاران لوگوں کی ہجو کرتے ہیں جو مدح کے قابل
ہوتے ہیں وہ جو عیب اور برائیاں اُن میں بیان کرتے ہیں وہ ہرگز انمیں نہیں ہوتیں جو خرابیاں
تاریکی میں اس تیر افگنی سے پیدا ہوتی ہیں وہ بیان نہیں ہو سکتیں یہ پاجی بدنہاد آدمیوں کے
دلوں میں ایک مخفی شرمندگی اور آزردگی پیدا کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ پاجی نہ کسی کا
مال چراتے ہیں نہ کسی کو قتل کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں بہت آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ انکو اپنی
بدنامی اور ہنسی اُڑنے سے ایسا رنج ہوتا ہے کہ دولت کے چوری جانے یا جان کے جانے
سے نہیں ہوتا جب مضرت پہنچائی جائے تو ضرر کا اندازہ ضرر رساں کے خیال کے موافق
نہ کیا جائے بلکہ ضرر رسیدہ کے خیال کے موافق۔ یہ بدنہاد اپنی تیغ زبان سے بزرگوں کی
عزت کا خون بہاتے ہیں۔ ان کی زبان سانپ کی زبانوں کی طرح لہراتی ہے اور نیش زنی
کرتی ہے —— بعض آدمی ایسے متحمل و بردبار رہتے ہیں کہ وہ اپنی ہجو سن کر چہرہ نہیں
بناتے۔ مگر اُن کے دل میں رنج دا ندوہ ہوتا ہے سلاطین اور امرا کی ہجو میں جب شعرا یا اد

فصحا اپنی آب حیات زہر آب بناتے ہیں تو وہ انکا علاج بمقتضاء زمانہ کرتے ہیں بعض ان
سے ان موذیوں کو بڑے بڑے انعام اکرام دیتے ہیں + دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ +
پر عمل کرتے ہیں تو وہ پھر اُن کی ہجو نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی پہلی لکھی ہوئی ہجووں کو ملیامیٹ
کر دیتے ہیں یا بدل دیتے ہیں بعض دفعہ وہ انعام اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں کہ
کوئی ہماری ہجو کرنے والے کو بتلا دے کیونکہ اکثر ہجا گمنام لکھی جایا کرتی ہیں جب وہ پکڑے
آئے تو اُن کی زبان نکلوا دی۔ دست و پا بریدہ کر دئے غرض کیفر کردار کو پہنچا دیا۔
ایسی باتیں قدیم زمانہ سے ہوتی آئی ہیں۔ ان بد شعار آدمیوں میں یہ ایک اور بُری بات
ہوتی ہے کہ وہ جب کسی اپنے دوست سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں تو تمام اپنی فصاحت
اُسکی ہجو کرنے میں خرچ کرتے ہیں وہ اس اپنی حرکت کو شرافت سے بعید نہیں جانتے
بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی ایک حربہ ہمارے پاس ہے جس سے ہم اپنا انتقام لیتے ہیں جو صرف
بدطینت ہوتے ہیں وہ تو اپنے دشمنوں کو ضرر ہرگز نہ پہنچاتے ہیں لیکن جب ان بدطینتی کے
ساتھ فصاحت وظرافت کی لیاقت جمع ہو جاتی ہے تو پھر دو نو دوست دشمن کی خبر لیتے
ہیں اور ہنسی ہنسی میں اُن کی خاک اڑاتے ہیں۔ ان کی نقل وہی ہوتی ہے کہ تالاب کے
کنارے لڑکے گئے۔ جو مینڈک سر نکالتا۔ اُسکے پتھر تاک کے مارتے۔ اسپر ایک مینڈک نے کہا
کہ اسے لڑکو جو تمہارا کھیل ہے وہ ہماری موت ہے۔ ایسے ہی جو اُن کی ظرافت ہے وہ
اوروں کی ذلت ہے۔

(۲) خدا پرستوں اور نیک حکما کی کوئی مذمت کرے تو اس سے اُن کو تکلیف نہیں ہوتی
وہ حق جوئی میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ اُن کو اپنی ہجو و مذمت پر توجہ کرنے کی
فرصت ہی نہیں ہوتی اور اگر اُسکو سنتے ہیں تو جواب بڑے لطف و کرم کے ساتھ
دیتے ہیں۔ ایک حکیم کی ایک شخص سخت ہجو کر رہا تھا تو اُس نے کہا کہ تیری اس ہجو کا
یقین لوگ ایسا ہی نہیں کرتے جیسے کہ میں تیری تعریف کروں تو اُسکا یقین کوئی نہیں کرتا

ارسطو پر ایک شخص لعنت کرتا تھا۔ تو اس نے اِس شخص سے کہا کہ اوروں کی لعنت ملامت سے تجھے ہمیشہ تکلیف پہونچتی رہی ہے اسلئے تو مجھے خوشی خوشی لعنت ملامت کرتا ہے اور میں نے کسی پر کبھی تبرا نہیں کیا۔ اسلئے اُس کے سننے سے میں ناخوش نہیں ہوتا۔ ایک بہرے گویے کی ایک شخص نے یہ مذمت کی کہ تیرے گانے پر تو لڑکوں کو ہنسی آتی ہے تو اُس نے ہنس کر کہا کہ مجھے اچھا گانا اب آجائے گا۔ افلاطون کا مقولہ نہایت عمدہ ہے کہ لوگوں نے اُس سے کہا کہ تیرے دشمن تجھ کو بہت بُرا کہتے ہیں تو اُس نے کہا کہ اب میں اس طرح زندگی بسر کرونگا کہ لوگوں کو ان کے کہنے کا یقین نہیں آئے گا۔ دوسرا مقولہ یہ ہے کہ جب لوگوں نے اُس سے کہا کہ تیرے دوست تجھے بُرا کہتے ہیں تو اُس نے کہا کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر لوگوں کی نیش زنی سے بچنے کی نہیں ہے۔ ایک دانشمند کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو بُرا کہے تو تم کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسمیں کتنا سچ ہے پس اُسے سُن کر اپنی اصلاح کرو۔

حفظ صحت میں زیادہ اہتمام

ایک دائم المریض اپنا حال یوں لکھتا ہے کہ میرے جسم و جان کو مجھے علم طب کے پڑھنے سے روگ لگے ہیں۔ جب میں نے اول ہی ایک طب کی کتاب کو مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ نبض میری بے قاعدہ چلتی ہے۔ طب کی کتابوں میں جو جو امراض کا حال پڑھتا تھا یہ جانتا تھا کہ میں اُن امراض میں گرفتار ہوں۔ جب ایک فاضل کی کتابیں سِل کے بیان میں پڑھیں تو مجھے اپنے اوپر گمان ہوا کہ مجھے یہ مرض ہو گیا ہے۔ مگر جب میں بہت موٹا ہو گیا تو میں اپنے شبہ کے غلط ہونے سے بہت شرمندہ ہوا۔ پھر میں نے اپنے میں سعال اور درد کے گٹھیا کی اور علامتیں دیکھیں جب اُستادوں کی کتابیں دیکھ کر اُس کا علاج کیا تو استحالہ مرض ہوا کہ گٹھیا جاتی رہی تپہری ہو گئی۔ غرض جب میں امراض متعددہ میں مبتلا ہوا۔ تو نہایت عمدہ عمدہ اطبا کی کتابیں جمع کر کے قوانین کو مرتب کیا اور اُن کا تجربہ اور مشاہدہ اس طرح کیا کہ ایک کرسی ایجاد کی جسمیں کمانیاں قواعد ریاضیہ کے موافق ایسی لگائیں کہ وہ وزن بتانے کے لئے

ترازو کا کام دینے لگی۔ میں تین برس تک اسی کرسی ہی پر بیٹھتا اٹھتا سوتا رہا۔ جیسے تجربے سے دریافت کر لیا کہ خوراک کتنی پسینوں کی راہ نکل جاتی ہے۔ کتنی جزو بدن ہوتی ہے کتنی فضلوں میں نکل جاتی ہے۔ پس اپنا وزن حالت تندرستی میں مقرر کر کے اسی کے موافق ہمیشہ اپنا وزن رکھتا تھا۔ پسینوں کے نکلنے اور فضلوں کے نکلنے سے جتنا وزن کم ہو جاتا تھا اتنا ہی میں پنیر اور روٹی کھا کر بڑھا لیتا تھا۔ میں نے اپنے کھانے کا وقت کسی گھنٹہ پر نہیں مقرر کیا تھا بلکہ اسی کرسی کے وزن بتلانے پر۔ سال بھر تک میں رجسٹر میں اپنے وزن کا حال لکھتا رہا۔

اس دائم المریض کے حال سے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ موت کا خوف موت کا سبب ہوتا ہے۔ جو اپنے تئیں موت کے ہاتھ سے بچانے کی تدابیر کرتے ہیں وہ جلد اس کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ میدان جنگ سے جو سپاہی جان بچانے کے لیے بھاگتے ہیں وہی زیادہ مارے جاتے ہیں۔ پس یہی حال ان وہمی مریضوں کا ہے جو اپنی جان کے واسطے دوا کی فکر میں رہتے ہیں۔ جتنا وہ موت سے بھاگتے ہیں اتنا ہی وہ انکو پکڑتی ہے غرض جو لوگ فقط جینے ہی کو اپنی زندگی کا مآل جانتے ہیں اور رات دن صحت ہی کی فکر میں رہتے ہیں [illegible] کسی کام کو نہیں کرتے ہیں [illegible] اور انسانیت سے خالی۔ عالی طبع ایسے کام [illegible] کرنے سے مرنے کو اچھا جانتے ہیں سوا اسکے جس آدمی کو اپنی جان اور صحت کی ہر وقت فکر پڑی رہتی ہے وہ تمام لذائذ جسمانی سے محروم ہوتا ہے۔ ساری دنیا میں ایک اندھیری چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ ناممکن ہے جس چیز کو ہم یہ جانیں کہ وہ اب گئی اب گئی اس سے کوئی احتظاظ و التذاذ حاصل ہو سکے کوئی ہماری غرض اس بیان سے یہ نہ جانے کہ ہم صحت جسمانی کی تدابیر کو جو مناسب ہیں [illegible] منع کرتے ہیں۔ نہیں جو معقول تدابیر ہوں وہ صحت و تندرستی جسم کے لئے اور دل کی تفریح کے لئے ضرور کرنی چاہئے۔ ہم تو اس کو منع کرتے ہیں کہ جینے اور صحت کے فکر میں ہمہ وقت

غم والم میں مبتلا ہو اور کوئی ہدایت آدمی اپنے دل کو نیکی کی طرف نہ کرے فقط دنیا میں
آنے کا مطلب یہی جانے کہ جسم وجان تندرست رہیں جو صحت کی فکر زیادہ کرتے ہیں وہ یہ
جانتے ہی نہیں کہ کیونکر تندرست رہتے ہیں۔ جان کی حفاظت کو عرض اور دل کی ہدایت
کو جوہر جاننا چاہئے خوشی اسی میں ہے کہ نہ موت کو چاہیں نہ اُس سے خائف ہوں ہم نے
جو ایک دائم المریض شخص کا حال نقل کیا ہے کہ اس نے اپنی کرسی ہی کو اپنا طبیب بنا یا تھا
اور فقط اپنے جسم کے وزن ہی پر صحت کا مدار رکھا تھا۔ قدرتی بھوک پیاس ورزش کو
بالائے طاق رکھا تھا اُس کے مناسب حال یہ نقل ہے کہ جیوپیٹر (یونانیوں کا دیوتا) ایک کسان
کے حال پر جب مہربان ہوا تو اُس سے کہا کہ جو تو مجھ سے مانگے گا میں تجھے دیدوں گا کسان
نے درخواست کی کہ مجھے موسموں پر اختیار مل جائے۔ یہ درخواست اُسکی منظور ہوگئی
اُس نے اپنی زمین کی قابلیت کے موافق۔ مینہ۔ برف۔ جاڑے۔ گرمی میں سے جسکی
ضرورت ہوئی اُس سے مانگا۔ وہ اُس عرضی کے موافق ہوگیا مگر سال کے آخر میں اُس نے
اپنے کہیت کی پیداوار کو دیکھا تو اپنے آس پاس کے کسانوں کے کہیت کی پیداوار سے
کم پایا تو اوس نے اپنے دیوتا سے یہ دعا کی کہ مجھ سے یہ اختیارات لے لئے جائیں نہیں
تو میں جلدی برباد ہو جاؤں گا +

حُسن صورت کے ساتھ حُسن سیرت

عورتوں کے حُسن کو جو چیزیں دوبالا کرتی ہیں اُن کے باب میں عقلا کے یہ مقولے ہیں
اول حسن کی تائید کے لئے حسن گفتار بھی ضرور ہے۔ یہ کلام کی ظرافت لطافت خوبصورتی کو
دوبالا کر دیتی ہے۔ دوم حسن صورت کو نخوت گرہن لگا دیتی ہے تصنع اور بناوٹ حسن کے
لئے چیچک سے زیادہ دشمن ہیں سوم حسین عورت میں بیوفائی کی قابلیت معشوق کی آن و شان
کو بڑہا دیتی ہے۔ چہارم جو دوست میں بات مکروہ ہو وہ عورت کے لئے بدصورتی کی برابر ہے
جب یہ اصول تسلیم کر لئے جائیں تو یہ بات خود ثابت ہوتی ہے کہ عورت سرتاپا انجذاب ہے

[illegible]

[illegible]

وہ کوئی تعلیم ونصیحت پند کی بات نہیں کہتے ان کا مقصود فقط یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات
ہم ایسی شوخی وشگفتہ بیانی سے کہیں کہ سننے والے ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ جائیں
انکو مسخرا پن خوب آتا ہے۔ پھبتیاں خوب کہتے ہیں۔ شخصی طعن وطنز کی عادت ہوتی ہے
وہ بڑے آدمی بڑے مصنف پر اعتراض کرینگے۔ کچھ برائی اور تصنیف پر نہیں انہیں
خود عزت پیدا کرنے کا خیال ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ اوروں کی عزت کو خاک میں ملا کے
ذلیل کرنے کا۔ سچے ظریف دل چسپ خیالات کو خوشنمائی سے ادا کرتے ہیں۔ اور ایسی تیزی
اور بیباکی سے باتیں کرتے ہیں کہ کبھی کند ذہنی اور دیر فہمی کا داغ اپنے تئیں نہیں لگنے
دیتے۔ وہ پرانی باتوں کو نہیں پسند کرتے۔ بلکہ نئے نئے ایجاد واختراع کرتے ہیں
اور عجیب عجیب رنگ سخن دکھاتے ہیں۔ اگر کسی کو دلائل سے نہیں قائل کر سکتے۔ تو اپنے
لطائف ظرائف سے اسے بند کر دیتے ہیں جو بات کہتے ہیں اس خوبی ولطافت کے
ساتھ کہ لبوں پر تبسم آئے بغیر نہیں رہتا سب اپنے کان انکی باتوں کی طرف لگا دیتے ہیں اور ایک واہ واہ کا غل مچا دیتے ہیں

نکمے آدمی وکاہلی

(۱) ایک بڑا گروہ نکمے آدمیوں کا ہے کہ جو فقط اسی کو غنیمت سمجھتے
ہیں کہ ہم آدمیوں میں شمار کئے جائیں ان کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ کوئی کام بھی کر
کے آدمیوں میں ممتاز وسرفراز ہوں وہ وقت کو کسی کام میں نہیں لگاتے۔ بالکل عبث ضائع کرتے
ہیں نہ گذشتہ پر افسوس کرتے ہیں نہ آیندہ کی فکر رکھتے ہیں اپنی ساری زندگی فقط
آن موجودہ کو جانتے ہیں اور اس سے بھی متمتع نہیں ہوتے جب ان میں سے کسی کو
دولت ہاتھ لگ جاتی ہے تو وہ اپنا وقت پلنگ پر یا گھوڑے کی پیٹھ پر صرف کرنے
لگتا ہے۔ کبوتر اور مرغیاں پال کر ان کی حفاظت کتے بلیوں سے کرتا ہے۔
(۲) ایک آدمی وہ ہیں کہ سارے دن پڑے رہتے ہیں نہ کوئی برا کام کریں نہ بھلا اشراف
اہلی میں جو ان بسر کر دیتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں کہ اپنے وقت کو شرارت اور فساد کے کاموں میں

بسر کرتے ہیں خداپرست خواہ اول قسم کے آدمیوں کو کچھ ہی خیال کریں مگر ان کا حال
دوسری قسم کے آدمیوں سے بدتر ہے اسلئے کہ بدی کا علاج تو ہوسکتا ہے مگر سستی کا کچھ
ہیں شرارت اور برائیوں سے آدمی سیر ہوکر خود چھوڑ دیتا ہے۔ اکثر جوانی کے نشہ میں
ایسے کام ہوتے ہیں مگر جہاں یہ نشہ اترا بیہودہ کام بھی نہیں ہوتے۔ مگر کاہلی تو روز
بروز خالی رہنے سے قوی ہوتی جاتی ہے۔ کاہلی میں جو تکلیف اور بے چینی ہے وہ کسی اور
کام میں نہیں کاہل آدمی کو ہر ایک کام ایک شیر معلوم ہوتا ہے جو اُس کی جان لینے کے لئے موجود ہے
(۳) سب سے بدتر وہ کاہل ہیں جو بظاہر کام کرنے والے معلوم ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ
ہم بہت کام کرتے ہیں اور کام ہی کرنے کی جلدی میں مضطربانہ ادھر اُدھر پڑے پھرتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ ہم کام کرتے ہیں۔ جو شخص آرام سے بیٹھا ہے اور پلنگ پر پڑا ہے تو وہ
جتنا اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اتنا ہی اوروں کو وہ یہ جانتا ہے کہ میں کچھ کام نہیں کرتا۔ اُسکو
روز کاہلی کے گھنٹے فقط اُسکو اپنی زندگی بسر کرنے کے طریقوں کی تبدیلی سکھاتے ہیں
کچھ نہ کرنا ندامت دلاتا ہے اور بہت کچھ کرنا آدمی کو نارامن کرتا ہے اور خوف دلاتا ہے
صدہا ترکیبیں ایجاد کی گئی ہیں کہ حرکت بے محنت کے پیدا ہو اور کام بے تردد کے کیا جائے
جن پر دولت نے کرم کیا ہے انمیں سے اکثر اپنی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اور جنکو
حاجت نے ہل چلانے یا اور کسی مزدوری کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے۔ وہ زندگی بسر اصل کام
کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا کام کرتے ہیں وہ کام کرنے والوں کی نقل اتارتے
ہیں اور اُن میں ہر قسم کے آدمی موجود ہیں۔ بعض اُن میں سے ہر نیلام میں موجود ہیں۔ مگر کسی چیز
کے خریدنے کے ارادہ سے نہیں آئے بعض آدمی ہیں ہر وعظ میں ہر مباحثہ میں ہر جلسہ میں
موجود ہیں لیکن اُس سے کچھ غرض مطلب نہیں۔ ہر میلہ میں جاتے ہیں مگر اُس سے کچھ
مسرت و انبساط غرض نہیں جبکہ اُن کو یہ خالی کام کرنے کے لئے نہیں ہوتے تو اُن کا
دل گھبراتا ہے۔

(۴) کاہلی کی برابر کوئی برائی نہیں ہے جو آدمی کو معاشرت کے لئے سب طرح سے نکما کر دے
صحیفۂ مخلوقات میں کاہل آدمی کورا صفحہ ہے۔ وہ کسی کام کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اور نہ
کسی مقصد کے لئے اوسکی زیست ہی۔ وہ کسی کام کرنے کا اقرار نہیں کرسکتا اسلئے کہ اوسکی
طرف وہ متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ کسی کام میں کامیاب نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اوسکے کرنے
کے درپے نہیں ہوتا۔ وہ برا خاوند۔ برا باپ۔ برا رشتہ دار ہی۔ اسلئے کہ نہ وہ بیوی کے
لئے نہ بچوں کے لئے نہ کنبے کے لئے روٹی کماتا ہے کہ اونکو بھوکا نہ مرنے دے۔ وہ دوست
بھی اچھا نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اپنے ہاتھ کو چھاتی سے جدا نہیں کرتا کہ دنیا کو غارت ہونے سے
بچائے۔ اگر وہ مفلس پیدا ہوا ہی تو وہ عمر بھر غریب ہی رہے گا۔ اگر تاجر ہی تو دوالہ نکالیگا
اگر دولتمند ہی تو اوسکے اہلکار مالدار ہوجائیں گے اور وہ خود کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگا
یہ یاد رکھو کہ نیچر نے ہمکو کمال کی حالت میں نہیں پیدا کیا مگر ایک قوت ہمکو عطا کی ہی کہ ہم
ترقی کرسکیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ ہم کو لائق اور قابل بننے کے لئے محنت ضرور چاہئے
بہت تھوڑے ہی ایسے غبی کودن اور کند ذہن ہوتے ہیں کہ وہ کسی کام میں سخت محنت
کریں اور کچھ نہ کچھ لائق نہ ہوجائیں اور ایسے ہی بہت تھوڑی طباع تیز ذہن اور ذکی
ہوتی ہیں کہ جن کو محنت کی ضرورت نہ ہو۔ کاموں کے سرانجام دینے میں محنت و توجہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی کیسی دشواریاں اور مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ دنیا میں
کوئی حیوان ایسا نکما نہیں جیسا کہ کاہل بھلا مانس۔ اس پاس جائداد ہوتی ہے
اسلئے وہ علم حاصل کرنے میں محنت نہیں کرتا۔ اور وہ کسی پیشہ کے لئے محنت نہیں کرتا اسلئے وہ
کوئی کام نہیں کرتا مگر نیچر میں کوئی محض مخفی فضیلت نہیں ہی۔ کوئی محض کاہل نہیں ہوسکتا
جو نیکی نہیں کرتا وہ ضرور بدی کریگا۔ اگر انسان کا دل فائدہ مند علم کا مخزن نہیں ہے
تو وہ بے معنی اور لغو اور بیہودہ علم کا خزانہ ہوگا۔ اگر ایک بھلا مانس عقل کے کام نہیں کریگا
تو بیوقوفی کے کریگا۔ اگر کوئی شخص اس سبب سے کوئی کام نہیں کرتا کہ کوئی کام اوس پاس [illegible]

تو وہ بدی و شرارت کے کام کرے گا یا ذلت یا مسخرگی لے۔

کوئی اس سے زیادہ افسوس ناک واقعہ نہیں ہے کہ کوئی شخص نیک دل اور قدرتی لیاقتیں اور قابلیتیں رکھنے والا ایسا ہو کہ جسکی ساری لیاقتوں کو کاہلی نے برباد کر دیا ہو۔ باوجودیکہ اوسمیں سب قابلیتیں ایسی موجود ہیں کہ وہ اوروں کو خوش کر سکتا ہے اور اپنے تئیں ممتاز اور سرافراز مگر وہ اپنے دوست آشناؤں کے لئے وبا کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مقولہ جو ہے کہ کاہل آدمی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر اپنے تئیں صحیح نہیں ہے جس شخص کا دل و دماغ درست ہو اور وہ کاہل اور غافل ہو کر بیہودہ اوضاع و اطوار اختیار کرے۔ تو وہ دوستوں اور عزیزوں کو بہت تکلیف پہونچاتا ہے۔ جو شخص اپنے لئے عدالت نہیں کرتا وہ ضرور اوروں کے حق میں ناانصافی کرے گا +

فقط بے گناہی کے خیال سے نیکی نہیں دیکھی جاتی کہ وہ کسی کو ضرر نہیں پہونچاتی بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھلائی کیا کرتی ہے سطائی طیس نے جب ایک دن کوئی بھلا کام نہیں کیا تو اوس نے کہا کہ آج کا دن بیکار کھویا۔ اگر ہم اپنے دنوں پر اسطرح خیال کریں تو معلوم نہیں کتنے دنوں یونہیں رائگاں گئے ہونگے۔ اگر ہم اس کے پاس سے زندگی کے دنوں کا اندازہ کریں تو ہماری زندگی بہت چھوٹی ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں زندگی کے دن وہی شمار کرنی چاہے کہ جس میں نیک کام کئے ہوں۔ اسی حساب کے موافق ایک بوڑھے آدمی کی قبر پر لکھا تھا کہ وہ پانچ سال جیا۔ یہ عمر حسب شمار ہوئی کہ اوسنے برے کاموں سے توبہ کی۔ اگر قبرستانوں میں قبروں پر اس طرح عمر کا حساب کر کے لکھا جایا کرے تو بڑا اثر لوگوں کے دلوں پر ہو کہ یہ شخص جو یہاں ایسی نیند سوتا ہے کہ پھر نہیں اٹھے گا۔ اس کی عمر نواسی برس کی تھی۔ مگر بچہ تھا۔ غرض عمر کے دن وہی شمار کئے جائیں جس دن کوئی کام بھلائی کا کیا ہو۔ جو دن کاہلی میں یا شرارت میں بسر کیا ہو وہ خارج کیا جائے۔ قبروں پر بجائے اسکے کہ یہ مردہ فلاں تاریخ پیدا ہوا فلاں تاریخ مرگیا

یہ لکھا جایا کرے کہ اتنی عمر ہوئی اور اس میں اتنے دنوں زندہ رہا جن میں اس نے نیک کام کئے۔ تو قبرستان بڑی دلچسپ کتاب نیکی کی تعلیم کے لئے ہو جائے +

عیش و طمع

دنیا میں استراحت کی محبت نے اور عسرت کی دہشت نے اکثر پیشے حرفے تجارتیں۔ زندگی بسر کرنے کے طریقے پیدا کئے ہیں جب استراحت کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے تو عیش پیدا ہوتا ہے اور جب عسرت کی دہشت بڑھ جاتی ہے تو طمع پیدا ہوتی ہے۔ یہ دونوں کارکن متضاد و مخالف راہوں میں آدمی کو لے جاتے ہیں۔ فارسی زبان میں اس مضمون کو اس طرح لکھا ہے کہ ایک نوجوان صبح کو پلنگ پر بے خبر سوتا تھا کہ طمع نے اسے للکارا کہ کیوں تو پڑا اینڈ رہا ہے اٹھ کھڑا ہو۔ ہر چند اس نے عذر اپنے سونے کے لئے کئے مگر طمع نے ایک نہ سنا۔ ناچار نوجوان کچھ جھومتا کچھ اونگتا پلنگ سے اٹھا طمع سے عرض کی کہ جو حضور کا حکم ہو وہ میں بجا لاؤں۔ طمع نے کہا کہ سنو دریا کے جیحوں میں جہاز جانیوالا ہے تم جھٹ پٹ انگور۔ سیداکخیر۔ سیاہ مرچ اور گرم خوشبودار مصالح غلاموں سے اونٹوں کی پیٹھ پر لدوا کر وہاں لے جاؤ اور جہاز میں لے کر روانہ ہو۔ اور خوب جھوٹ بول کر تجارت کرو۔ پیسے پیسے پر قسم کھاؤ۔ تجارت میں ایسے گناہ خدا معاف کر دیتا ہے۔ جنت کے دروازہ ان کے کرنے سے بند نہیں ہوتا۔ یہ حکم سنکر جب نوجوان چلنے کو تیار ہوا تو عیش نے اسکو سمجھایا کہ کیوں دیوانہ ہوا ہے۔ راحت کو چھوڑ کر زحمت اٹھاتا ہے بحری سفر میں ہزاروں بلائیں ہوتی ہیں۔ کیوں ان کو سر پر لیتا ہے۔ زندگی جو عیش و عشرت کے ساتھ نہ ہو وہ کیا خاک زندگی ہے۔ دنیا میں استراحت ہی جنت ہے۔ بس تو چین آرام کر۔ دن عیدات شبرات منا۔ مطرب خوش نوا سے گوا۔ خوشبوؤں سے مکانوں کو مہکا۔ ان کا سارا سامان معمول کے موافق جمع کر۔ باغوں کی سیر کر۔ دنیا میں موت پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد پھر دنیا میں آنا نہیں جتنا عیش کیا جا سکے کر۔ غرض ایسی پٹیاں عیش نے پڑھائیں کہ اس نے گھر سے

قدم نہ نکالا۔ یہ عیش وہ بدبلا ہے کہ جب کوئی سلطنت فتحیاب ہوتی ہے اور اپنے زبردست دشمنوں کو زیر کر لیتی ہے اور کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا کہ وہ اُس پر حملہ آور ہو تو اُس کی طبیعت کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ وہ عیش و عشرت میں ڈوبتی ہے۔ دولت کے مزے لوٹتی ہے خوب گلچھرے اُڑاتی ہے عیش کے بندے اپنے نشاط و طرب کے لئے اوروں کی دولت پر دست درازیاں کرتے ہیں اب یہ دونوں عیش اور طمع کے معاملات ملکر بڑے پیچ در پیچ ہو جاتے ہیں۔ روز بروز سامان عشرت کو عیش وسعت بڑھاتے جاتے ہیں مورخوں نے لکھا ہے کہ جب روم نے زمین کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو رومیوں نے فتح کر لیا۔ اور ہیں دشمنوں کا کہیں کا باقی نہ رہا تو اس سلطنت میں دو برائیاں پیدا ہوئیں ایک استراحت دوسری طمع۔ اراکین سلطنت سے بڑے بڑے ظلموں کے ساتھ اوروں کی دولت طمع چھنواتی تھی اور اُسکو اسراف کے ہاتھ سے عیش اُڑواتا تھا۔ جو حال اس سلطنت روم کا ان دو برائیوں کے ہاتھ سے ہوا۔ وہ اور بہت سی سلطنتوں کا ہمیشہ زمانہ میں ہوتا رہتا ہے جب کسی سلطنت کی ایسی صورت بنتی ہے تو اراکین سلطنت میں ہر ایک کو یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ اپنی ظاہری شان و شکوہ اور عیش و عشرت میں اوروں سے سبقت لیجاوٗں۔ کچھ ان کو خوف اس بات کا نہیں ہوتا کہ دشمن پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ اپنی حتی المقدور سوا عیش و طرب کے کوئی کام اور نہیں کرتے۔ اس سبب سے اُن کو دولت و مال کی طمع دامن گیر ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو تشبیہات کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۲) دو بڑے قہرمان ظالم جن میں سے ایک کا نام طمع اور دوسرے کا نام عیش تھا۔ ہمیشہ ہنگامہ جنگ گرم رکھتے تھے ہر ایک قلمرو دل کا خواستگار تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ وہ میرے ہی ہاتھ تلے رہے عیش کے بڑے جنگی سپہ سالار یہ تھے۔ استراحت۔ راحت۔ [illegible] نشاط۔ شان و شکوہ۔ [illegible] حرص و شہوت۔ طمع بھی کچھ عیش سے قوت میں کم نہ تھی اُسکے پاس بھی بڑے بڑے سردار یہ تھے محنت مشقت احتیاط حفاظت بھوک وزیر اعظم جو ہر وقت اُسکے ساتھ رہتا تھا۔ وہ افلاس تھا۔

کاموں کا مدار اس وزیر اعظم کی صلاح و مشورہ پر منحصر تھا عیش کا وزیر اعظم تونگری تھا۔ اسی کی
صلاح و مشورہ سے وہ اپنے سارے کام کرتا تھا کبھی ایک دم اپنی نگاہ سے اُسے غائب
نہیں ہونے دیتا تھا۔ تمام تدابیر اسی کی مرضی کے موافق ہوتی تھیں غرض یہ دونو دشمن اپنے
اپنے سپہ سالاروں کو ساتھ لیے معرکہ رزم گرم کرتے تو فتح کا کوئی طور ڈھنگ نہ تھا کسی دل کو
عیش نے فتح کر لیا کسی دل کو طمع نے۔ باپ اگر طمع کے علم کے نیچے ٹھہرا ہے تو بیٹا عیش کے
نیزہ کے سایہ میں بیٹھا ہے۔ میاں ایک طرف بیوی دوسری طرف۔ بلکہ ایک ہی آدمی جوانی
میں ایک جانب اور بڑھاپے دوسری جانب۔ لیکن جو دانشمند تھے وہ نہ کبھی اس طرف ملے ہونا اُس طرف
مگر اُن کی تعداد بہت نہ تھی۔ جب یہ دونو لڑتے لڑتے ہار کر تھک گئے تو آپسمیں یہ قرار پائی کہ دونو
کی ملاقات ہو مگر آپس میں کوئی وزیر ساتھ نہ ہو۔ جب یہ دونو آپس میں ملے تو اول عیش نے
گفتگو شروع کی آزادی سے جو اسکی طبیعت کا مقتضا ہے یہ کہا کہ ہم تم دونو بڑے سچے
دوست ہوتے اگر تم کو تمہارا وزیر افلاس بہکاتا۔ اور تمہارے کان خوف اور تعصب سے نہ بھرتا وہ
بڑا موذی ہے اسکا جواب طمع نے یہ دیا کہ یہی خیال مجھے بھی تمہارے وزیر تونگری کی طرف ہے۔ وہ
میرے وزیر افلاس سے بھی زیادہ ستیاناس ملانے والا ہے۔ کیونکہ جو ہمیشہ استراحت اور
عشرت کی صلاح دیتا ہے اور کوئی ضروری احتیاط آیندہ احتیاجوں کے لئے نہیں کرنے دیتا۔
اسطرح سے وہ ان تمام اصول کو جن پر میری سلطنت کی بنا قائم ہے برباد کرتا ہے بعد اس مباحثہ
کے دونو میں اس بات پر صلح ٹھہری کہ اپنے اپنے وزیروں کو دونو برطرف کر دیں۔ جب
اس صلح کے موافق وزیر موقوف ہو گئے تو جو اُن میں اختلافات چھوٹی چھوٹی
باتوں میں تھے مٹ گئے۔ اور پھر وہ آپسمیں نیک دوستوں کی طرح رہنے لگے۔ جو کچھ
فتوحات ہوتیں وہ آپسمیں تقسیم کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ عیش و طمع دونو ایک دل میں رہتے
ہیں۔ اور ایک ہی آدمی کو وہ آپسمیں تقسیم کر لیتے ہیں۔ طمع بجاے تونگری کے عیش
کراتی ہے اور عیش بجاے افلاس کے طمع بڑھاتی ہے +

کتابوں میں ذہن کی [illegible]

ذہن کی کجی نے تصنیفات کے محاوروں کو ایسا سرگردان کیا ہے کہ جنکے سر پاؤں والے ہوئے
اور جو تروں سے کان گتھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اُن کی پریشانی بیماروں کے
خواب کی پریشانی سے زیادہ ہی۔ ان کا حال ایسی تصویروں کا سا ہے کہ جن میں خوبصورت
عورت کے ساتھ مچھلی کی دُم لگی ہوئی اور گھوڑے کے دھڑ پر آدمی کا چہرہ بنا ہوا چوپایوں
کے ہاتھ پاؤں پر پر لگے ہوئے اور پرندوں کے پروں کے نیچے چوپایوں کے ہاتھ پاؤں
جڑے ہوئے پس جیسی ان تصویروں کے دیکھنے سے ہنسی آتی ہے اور مصور پر دیوانگی کا
احتمال ہوتا ہے۔ ایسی ہی تصنیفات پر ہنسی اور مصنف کے سودائی ہونے کا خیال ہوتا ہے۔

ناموری اور برتری کی خواہش و عزت کی طلب

کیا تعجب ہے کہ حضرت انسان باوجود ضعیف البنیان اور ناتوان اور ناقص و ناکامل ہونے
کے دل سے خواہاں اپنی تعریف کے ہوں اور اُس کے لئے حتی المقدور سعی اور کوشش
کریں اور اپنی خباثت جہالت معصیت زدگی و نقص کی تعریف کے لئے بیگار کریں۔
انسان کا حال ایسا ہی کہ فی نفسہ اس میں کوئی بات فخر کی نہیں مگر ہاں جب وہ ابنا اور حیوانوں
کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے تو ان کی نسبت اپنے عیب و نقص کم پاتا ہے اس وصف اضافی کے
سبب وہ اپنے تئیں اشرف المخلوقات جانتا ہے اور اُس پر فخر و مباہات کرتا ہے۔
غرض گو اس میں ذاتی کمال نہیں ہے مگر اضافی کمال ضرور اُس میں ہے۔ اس بات
کو احمق اور عاقل جداجدا خیال کرتے۔ دانا خود بالذات منور ہونا چاہتا ہے۔ احمق
اوروں کے نور سے چمکنا چاہتا ہی۔ دانشمند اپنے عجز و ناتوانی کو دیکھ کر متکبر ہوتا ہی
احمق اوروں کی عاجزی کو دیکھ کر متکبر ہوتا ہے عقلمند اپنی ضرورتیں و احتیاج دیکھتا
ہے۔ ناداں اپنے پاس ضرورت سے زیادہ چیزوں کی افراط دیکھتا ہے عاقل جب خوش
ہوتا ہے کہ خود دل اُس کا تعریف کرے۔ احمق جب مسرور ہوتا ہی کہ اور لوگ اُسکی تحسین و تعریف کریں۔

انسان کے دل میں جو اپنی تعریف و ستائش کا جذبہ اُٹھتا ہے گو وہ بیہودہ اور برخلاف عقل ہو مگر وہ انسان کے حق میں ایسا مضر نہیں کہ بالکل معدوم کر دیا جائے۔ وہ اُس کو پاجی، اوباش پنے کی باتوں سے روکتا ہے شاندار اور معزز کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے گو اسکی اصل ناقص ہے مگر اسکے نتیجے اچھے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ناموری کی تمنا ایسی باتوں میں بمقتضاء عقل ہو کہ قابل تحسین ہو تو وہ صفات انسانی میں حسانت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر بمقتضاء خود نمائی اور حماقت وہ ہو تو خراب خستہ کر دیتی ہے۔

(۲) ہر فرقہ کی شہرت و نیک نامی و نام آوری جدا جدا ہوتی ہے۔ اول جلیل القدر عالی ہمت شالا نہمت شجاعوں کا فرقہ ہے اسکی نیک نامی مہمات عظیم کے سر کرنے میں ہوتی ہے اُن کی ناموری وہ درخشندہ ہوتی ہے کہ خواہ لوگ کتنے ہی بے صبر ہو کر اور تکلیف اٹھا کر اُس کو تاریک کرنا چاہیں مگر وہ تاریکی کا سایہ تک بھی اُس پر نہیں ڈال سکتے۔ دوم معزز اشرافوں کا فرقہ ہے کہ جنکی نیک نامی انسانیت اور اشرافت کے کاموں کے کرنے سے ہوتی ہے۔ اُن کی شہرت بھی مستقل ہوتی ہے۔ لوگوں کو پسند نہیں ہوتا کہ کوئی اُن کو برا کہے اور ذلیل سمجھے۔ جو اُنکی بدگوئی کرتا ہے اکثر آدمی اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ سوم تاجروں کا فرقہ ہے جنکی ساری نیک نامی اُن کی ساکھ پر موقوف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جائے لاکھ رہے ساکھ۔ اُن کی نیک نامی کا قیام نازک ہوتا ہے۔ جیسا ایک ٹھگ ہاتھ میں چراغ اور خنجر لیکر کسی کو زخمی کر سکتا ہے اسی طرح ادنیٰ آدمی ساہوکار کی ساکھ پر صدمہ پہنچا سکتا ہے۔ تاجر اپنی دولت کو بہت دور دور پھیلاتا ہے تاکہ وہ اوروں کی دولت سمیٹ کر اپنے وطن میں لائے اور وطن کی دولت بڑھائے۔ اس قوم کی دولت بڑھانے والے کو وہ پاجی خبیث جو ننگ قوم ہے گزند پہنچا سکتا ہے اور ایسی خبریں مشہور کر سکتا ہے کہ جس سے اُسکی ساکھ اور دولت دونوں میں کمی آئے +

(۳) اگر روح کو جذبات سے خالی تصور کریں تو وہ ایک بے حس و حرکت مردہ سی ہو جاتی ہے۔

[illegible]

ہی نہیں بنایا جو دُنیا کے لئے بے فائدہ اور اپنے لئے باعث تکلیف ہو۔

یہ جاہ و شہرت کا جذبہ انسان کے دل میں ایسا ہی قوی ہے کہ وہ اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ گو اُسکے حاصل ہونے میں نہایت مشکلات پیش آتی ہیں اور جب حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے جاتے رہنے کا ہر وقت سانسا و خوف لگا رہتا ہے۔ ایسے صاحب ہمت دُنیا میں بہت تھوڑے ہیں کہ جنکو لیاقت ایسے کاموں کے کرنے کی ہو کہ جن پر ساری دنیا متحیر و متعجب ہو کر تعریف کرنے لگے۔ انتظام الٰہی نے ہم سب کو ایک ہموار جگہہ پر بٹھایا ہے اور ایک قسم کا تناسب ملحوظ رکھا ہے کہ اگر کسی کو ایک فضیلت میں کامل بناتا ہی تو دوسرے میں ناقص رکھتا ہی۔ ہر شخص کو کمینگی اور پاجی پنے سے بچانے میں وہ احتیاط اور اہتمام زیادہ کرتا ہے بہ نسبت اِسکے کہ ایک فرد انسانی کو سب سے زیادہ معزز و ممتاز بنادے جس پر لوگوں کو تعجب ہو۔ جن عالی ہمتوں میں خداداد بڑی لیاقتیں اور قابلیتیں موجود ہیں اور انہوں نے اُنکو اپنی محنت اور جاں فشانی سے درجہ کمال پر پہنچایا ہے میں پوچھتا ہوں کہ اُنمیں کے ایسے ہیں کہ جنکی نیکیوں اور خوبیوں کی روشنی کو آدمی دیکھیں اور اپنی جہالت تعصب حسد سے اُنکی تاریک کرنے میں سعی کریں۔ بعض آدمی تو ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکو شرافت اور پاجی پنے کے کاموں میں تمیز کرنے کی لیاقت نہیں ہوتی۔ بعض بدنیت خبیث ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اوروں کے بھلے کاموں کو ہمیشہ بدنیتی اور خودغرضی پر محمول کیا کرتے ہیں بعض بالقصد ان کاموں کو غلط بیان کیا کرتے اور اُن کے مقاصد کو غلط سمجھتے ہیں یہ سب باتیں ایسی جمع ہو جاتی ہیں کہ جتنی اُن پر غور کیجاتی ہے اُتنا ہی یہ ہم کو معلوم ہوتا ہی کہ آدمی جتنی آرزو نیک نام و نامور ہونے کی کرتا ہی اُتنا ہی وہ ناکام رہتا ہے۔ نیک لوگوں کی سب سے زیادہ تعریف اسی بات کی ہے کہ جتنا وہ نام آوری سے گریز کرتا رہا۔ اتنا ہی وہ زیادہ نیک نام ہوتا رہا۔ آدمی کا دل جن باتوں کو زیادہ چاہتا ہی اُنہیں اور آدمی جرح قدح کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مستحکم عظمت اور بزرگی ہوتی ہے - تو وہ دنیا کی مدح و ذم کی پرواکچھ نہیں کرتا - اور زبان کی نرم آوازوں اور فساد کی باتوں کے جھگڑوں سے اپنے تئیں پرے رکھتا ہے - انہیں آدمیوں کی تعظیم و تکریم ادب و لحاظ زیادہ ہوتا ہے کہ جو ہم سے اور نیکی کی راہ بزرگی میں با قاعدہ چلتے ہیں اور کچھ اسکی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم اُن کی نسبت اچھی یا بُری رائے رکھتے ہیں -

ہم کو بے غرضانہ انسان سے محبت کرکے کام اس طرح کرنے چاہئیں کہ جس سے ہمارے کردار اور پروردگار کی عظمت و شان نمایاں ہو - جو لوگ اپنی خود غرضی اور ناموری کے لئے عمدہ کارہائے عظیم کرتے ہیں - ان سے کرنے والوں کی دلیری بہادری - اور کوئی نیکی نہیں ظاہر ہوتی - اسی سبب سے یہ تمام رائے اور فیصلہ جو لوگوں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ آدمیوں کی نیک نامی اور ناموری کے کاموں کو خود نمائی اور خود غرضی پر حمل کرتے ہیں وہ بالکل بے اصل نہیں ہوتا خلاصہ اوپر کے بیان کا یہ ہے کہ نیک نام اور ناموری بنا بڑا مشکل ہے خاص کر اُس شخص کو جو اس کی تمنا رکھتا ہو - اسلئے کہ بہت سے آدمی تو اپنی خیانت کے سبب سے اُسکی جاہ طلبی کو خود نمائی سے منسوب کرنے سے باز نہیں رہنے کے - اور اُسکی خود نیک نامی کی تمنا ایسی حرکات ناشائستہ خود نمائی کی کرائے گی کہ جس سے اُس کی عزت اور ناموری میں بٹہ لگے گا - اور اُسکی عالی نشی میں خفت اور سبکی نمایان ہوگی -

شہرت اور عزت دو نوبہت آسانی سے جاتی رہتی ہیں جیسا ان کا حاصل ہونا دشوار ہے ایسا حاصل ہونے پر اُن کا باقی رکھنا اور سنبھالنا مشکل ہے - اس مطلب کو ہم آگے بہت تفصیل سے لکھتے ہیں -

(۴) دنیا میں جب کسی کو چڑہتا بڑہتا دیکھتے ہیں تو انسان اپنی ایک قدرتی خباثت کے سبب سے اُس کے پیچھے پڑتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کوئی عیب اس میں ایسا نکالوں کہ لوگوں میں بجائے اُسکی قدر و منزلت کے اُس کی خواری و ذلت ہو جائے - دنیا میں جو لوگ اُس کی ہم حالت پیدا ہوئے ہیں اور سب طرح سے اُسکی برابر سمجھے جاتے ہیں - وہ جب اُسے اپنے سے بلند دیکھتے

تو چاہتے ہیں کہ اُس کی ٹانگ گھسیٹ کر پھر اپنی برابر کھینچیں اس غرض سے کبھی تو اُسکے کسی
کام کی مذمت کرتے ہیں کبھی اُس کے حال کی لیاقت اور قابلیت کے کاموں کا خاکا اُڑاتے
ہیں۔ ایسے ہی اِن لوگوں کا حال ہے کہ جو اُسکو پہلے اپنے سے نیچا دیکھتے تھے اب اُسکو
بلند ہوکر اپنی برابر آتا ہوا دیکھتے ہیں تو حسد کرتے ہیں اور خوف کرتے ہیں کہ وہ کہیں ہم سے
زیادہ بلند نہ ہوجائے اسلئے اُسکی لیاقت اور قابلیت کے کاموں کو خاک میں ملاتے ہیں۔
غرض ہمسر اور برتر دونو اُسکی عزت کے کم تر بنانے کے درپے ہوتے ہیں جب کوئی آدمی
برتری حاصل کرتا ہے اور اپنی لیاقت اور قابلیت کے جوہر دکھاتا ہے تو اُسکے سارے کاموں کی
طرف لوگوں کی نظریں لگی رہتی ہیں اور اُسکے ذرا ذرا سے کاموں پر عیب گیری اور نکتہ چینی
ہوتی ہے۔ اور جہاں کسی کام میں اُسکو ضعف دیکھتے ہیں تو بڑی خوشیاں مناتے ہیں اور
جب اُسکی لیاقت کی تعریف اور نیک نامی سُنتے ہیں تو بعض آدمی اُسکی مخالفت پر کمر باندھتے
ہیں اور اُن کو جھٹلاتے ہیں اور اُسکے خصائل کی بدیوں کی خبروں کو اُڑاتے ہیں۔ اپنی
خباثت کے سبب سے جو اُسمیں بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اُن کو مغرورانہ شائع کرتے ہیں اور
اپنی رائے اور فیصلہ کی بڑی تعریف کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے وہ بات دریافت کرلی
جو سب کی نظروں سے مخفی تھی جسکی تعریف تمام دنیا کی کررہی تھی اسکی غلطی پکڑلی۔
بعض آدمی یہ آہو گیری اور عیب بینی اسلئے کرتے ہیں کہ اُس سے اُن کے دل کو ایک چین
اور آرام ملتا ہے — جن عیبوں اور خطاؤں سے وہ اپنے تئیں بری سمجھتے ہیں اور اُن کو
دوسرے شخص میں دیکھتے ہیں تو اُن کے اشتہار دینے میں در پردہ اپنی اس خوبی کا اظہار
بھی مدنظر ہوتا ہے کہ اِن بُرائیوں سے ہم بری ہیں۔ گویا اُسکی ہجو کرنی اپنی مدح کرنی ہوتی ہے اور
اِس خود نمائی پر وہ بڑے پھولتے ہیں کہ جو ایک بڑے نامور مشہور آدمی میں عیب نقص ہیں وہ
ہم میں نہیں ہیں اس سبب سے ہم اُس سے برتر ہیں۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بُرائیاں
اور عیوب جو اپنے میں ہوتے ہیں وہ کسی جلیل القدر نامور میں بتلاتے ہیں تاکہ دونو۔

کے اندر عیوب میں مساوات ہو جانا۔ اسکا خیال نہیں کہ ہم کسی برائی میں کسی بڑے آدمی کے برابر ہو گئے تو اس میں کیا فخر ہے۔ کیا فقط اس ڈینگ پر مرتے ہیں کہ ہم میں اگر عیب ہیں تو ایسے ہیں جو بڑے بڑے آدمیوں میں ہوتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ برائی کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ مگر وہ اپنے تئیں خیالی ہمسر ایک بڑی آدمی کا اسطرح بنا لیتے ہیں۔ معززین کے بے عزت کرنے کے یہ آلات ہیں جن کو لوگ کام میں لاتے ہیں مگر اپنے کام میں کامیاب نہیں ہوتے کسی صاحب لیاقت کے نالائق بنانے میں جو ذہانت صرف کرتا ہے وہ اپنی خاک آپ اڑاتا ہے۔ جو معمولی آدمی ہیں ان کی ہجو کو لوگ ایسی توجہ سے نہیں سنتے جیسے کہ کسی عالی مقام والاجاہ کی مذمت کو جسکی خوبیوں اور لیاقت کی ایک دھوم مچ رہی ہے۔ مگر اسکے لئے بڑی لیاقت اور ہنر درکار ہیں کہ کسی صاحب لیاقت کی جو ہجو کے قابل نہ ہو ایسی مذمت کرے کہ جس سے وہ ہجو سننے والوں کی برابر یا ان سے کمتر ہو جائے۔

اس اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معزز آدمی کے لئے عزت اور بدنام کرنے کے کیسے باریک پیچدار طریقے ہیں اور کتنے خبیث جاسوس اُس کے عیبوں اور نقصوں کے مخفی جاسوسی کر رہے ہیں جنکی اس کو خبر نہیں کہ وہ ان کا تدارک کرے۔ قاعدہ ہے کہ جب ہم کو کسی جلیل القدر والاجاہ صاحب کمال کی قربت حاصل ہوتی ہے اور ہم اُس سے خوب واقف ہو جاتے ہیں تو اسکی لیاقت کی مدح جس تعجب وحیرت کے ساتھ پہلے کرتے تھے پھر نہیں کرتے۔ یہ واقفیت اسکی قدر و منزلت اسکی ہماری نگاہ میں کم کر دیتی ہے۔
ہم بہت ہی کم کسی نامور کا حال ایسا سنتے ہیں کہ جسکے ساتھ اسکے چھوٹے چھوٹے عیبوں اور نقصوں کی فہرست نہ لگی ہو اسکی وجہ یہ ہیں۔ اول اُسکی چال چلن میں ذراسی لغزش بھی بہ نسبت کسی اور شخص کے بڑی نمائش سے نمایاں ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی خصلت سے جدا معلوم ہوتی ہے۔ دوم ناممکن ہے کہ کسی انسان کی زندگی بھر کے چھوٹے چھوٹے اور بڑے

بڑے کاموں کو ایک ہی وقت میں کوئی شخص دیکھ لے۔ اسلئے بڑے آدمی کی چھوٹی
لغزشوں پر جب نظر ہوتی ہے تو اُس کے بڑے کام پیش نظر نہیں ہوتے۔ سوم جیسا ہم نے
اوپر بیان کیا ہے کہ بلند نظری آدمی سے خود ہی ایسی ضعیف حرکات شہرت حاصل
کرنے کے لیے کراتی ہے کہ جو اُسکی خصائل سے متضاد ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو جلیل القدر بڑی دھوم دھام کی عمدہ لیاقتیں کبھی ایسی ضرور
ہے کہ انمیں چھوٹے چھوٹے نوٹ کے سیاہ دھبے ہوں مگر وہ اُن کے بڑے کاموں
کی روشنی میں مخفی ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی معاملہ اعظم میں ناموری حاصل کرنیکی
راہ میں چھوٹا قدم اٹھائینگے تو سارا منصوبہ اُن کا خاک میں مل جائے گا اور بڑی
مایوسی ہوگی۔ اور ایسا بُرا سیاہ داغ لگے گا کہ اُن کے سارے کاموں کی سفید روئی کا
مُنہ کالا کردے گا۔ اور پہلی کارہاے بزرگ کی روشنی کو مدہم یا تاریک بنا دے گا
جب ناموری اور نیک نامی حاصل ہو جاے تو کیا مشکل اس کا سنبھالنا ہوتا ہے کیونکہ ہم
اور ہر تر چھوٹے چھوٹے عیبوں اور نقصوں پر رائے قائم کرکے اور فضیلہ کرکے اُنکو
بڑے مبالغہ کے ساتھہ اعلان اور شائع کرتے ہیں جو طبیعت کو نہایت ناگوار گذرتا ہے
اگر اوروں کے مزاج میں حسد بھی نہ ہو کہ وہ مشاہیر کی مذمت کریں اور خود اُن
میں بھی کوئی بداطواری ایسی نہ ہو کہ جو ان کی شہرت کو بٹا لگا سکے تو بھی اس نیک نامی
کے حاصل کرنے میں اور حاصل کرنے کے بعد اُس کے قائم رکھنے میں کچھ تھوڑی تکلیفیں
نہیں ہیں اسکے قائم رکھنے واسطے چاہیے کہ عمدہ کاموں کا ایک سلسلہ ہمیشہ جاری رہے کہ تا دم
مرگ ناموری قائم رہے۔ اسواسطے کہ جب شہرت ایکدفعہ تھم کر ٹھہر جاتی ہے تو وہ ضرور
پژمردہ اور ضعیف ہو جاتی ہے۔ آدمی میں جو کسی کی تعریف کا جذبہ تعجب کے ساتھہ اٹھتا
ہے وہ تھوڑی دیر رہتا ہے اور پھر اُسمیں جان نہیں آتی جب تک از سر نو بڑے
کاموں کی معجزات سے غذا اُسکو نہ دی جاے۔ پس ناموری جب ہی آدمی ہو سکتا ہے کہ زندگی بھر

[illegible]

کیا تو ان کو بالکل مایوسی اس سے ہو جاتی ہے۔ یا ان کو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں
خوشی کم ہے یا انکو زیادہ صحیح اگاہی ہو جاتی ہے۔ یا بڑی عمر کی ضعف کے سبب سے کوئی
شہور نامور آدمی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اس نے اس خیال کو اس سبب سے چھوڑا ہو کہ بعد نیکنامی کی
خاطر خواہ حاصل ہوئی ہو۔ صرف شہرت ہی دل کو بڑے اطمینان نہیں کرتی بلکہ دل کو اس کی
خواہش بہت سی تکلیفات دیتی ہے۔ ان تکلیفوں سے وہ لوگ بری ہیں جو اس شہرت کے
بہت درپے نہیں ہوتے۔ عالی ہمت بلند نظر بہت دفعہ نیچا دیکھتے ہیں اور جہاں ان کو
تعریف کی توقع ہوتی ہے وہاں وہ مایوس ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کے دل کو قلق اس
سبب سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں کی جس اعلیٰ درجہ کی تعریف چاہتے تھے وہ نہیں ہوئی
کیونکہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جنکی رائے ان کے کاموں کی طرف ایسی ہی ہو
جیسی کہ خود انکی۔ تعریف کی کمی کی صورت میں دل کے قلق کی کیفیت یہ ہو تو معلوم
نہیں کہ دل پر جب کیا گذرتی ہوگی کہ کاموں کی مذمت اور بدنامی ہوتی ہوگی۔ انسان کی
طبیعت جو شہرت کی خواہش پیدا کرتی ہے وہی مذمت سے نفرت دلاتی ہے جب
آدمی بے حد تعریف سے خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا ایسی وہ مذمت سے بیدل اور
اداس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سمجھو کہ ایک عالی ہمت بلند نظر کی خوشی جاہ طلبی میں کیسی
کم ہے۔ کہ وہ ہر شخص کا محکوم اس طرح بنتا ہے کہ اسکے برے بھلے کہنے پر اسکی رنج و خوشی
[redacted] وہ ہر خبیث کی زبان کو اختیار ہے کہ اسکی مذمت کر کے جتنا رنج چاہے
اس کو پہونچائے +

(۷) دنیا کا قاعدہ ہے کہ وہ عیب گیری اور عیب بینی بہ نسبت ہنر بینی و صواب اندیشی
کے زیادہ کیا کرتی ہے۔ اور انسان میں خود برائیاں بھلائیوں سے زیادہ ہوا کرتی ہیں
پس ان دونوں صورتوں میں مدح کی طلب سے کیسی دل کو کم خوش ہونے کی امید
ہو سکتی ہے + ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی نیک نامی کے جلتے رہنے کا

رنج ہوتا ہے اتنی اُنکے حاصل ہونے سے خوشی نہیں ہوتی۔ ایسا ہی [illegible]
موجودگی کی صورت میں ہمکو ایسی خوشی نہیں ہوتی جیسے اُس کی عدم موجودگی میں رنج
ہوتا ہے اسلئے کہ جب کوئی چیز ہمکو حاصل ہوتی ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خوشی کی
کی قابلیت کتنی ہے۔ مگر اُسکی محرومی و مایوسی کے رنج کا اندازہ اُسکی اصلی کیفیت سے تو نہیں
کر سکتے مگر اپنے خیال اور تصور سے جو اس کو بہت بڑھا دیتا ہے۔
پس معلوم ہوا کہ شہرت نیک نامی ہم کو خوش کم کرتی ہے اور رنج زیادہ دیتی ہے۔ اُس کی
آرزوؤں میں ایسی آگ لگا دیتی جو اُس کے ہونے سے اسیقدر بجھتی نہیں جیسی نہ ہونے
سے وہ بھڑک سکتی ہے۔ اس سے جو تھوڑی سی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ بھی اوروں کی مرضی پر موقوف
ہے۔ اور جو رنج اس کا ہے وہ بے ٹھکانے ہے۔ ہم کو فقط مذمت ہی سے قلق نہیں ہوتا
بلکہ ان لوگوں کی خاموشی سے بھی مایوسی ہوتی ہے اور رنج پہونچتا ہے۔ جنسے کہ یہ توقع
تھی کہ وہ ہماری تعریف میں زبان پر مہر لگائینگے۔
(۸) سچی عزت و برتری جڑ کی طرح پھیلتی پھولتی پھلتی ہے۔ جھوٹی عزت و عظمت پھول کی
طرح جلدی گر کر خاک میں لوٹتی ہے۔ سچی عزت نیکی کا سایہ ہے۔ اگر نیکی معدوم ہو تو وہ اُسکے
ساتھ معدوم ہوتی ہے۔ سچے ہی معزز و معظم کی لوگ عزت کرتے ہیں اُس کو معتمد جانتے
ہیں۔ تعجب و حیرت کے ساتھ تعریف کرنے میں وہی ان باتوں کا مستحق ہوتا ہے +

تصنیفات کی قسمت

مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ جب کوئی لکھا ہوا کاغذ راہ میں پڑا دیکھتے ہیں تو اُسکو اُٹھا کر کسی
کونہ میں یہ سمجھ کر رکھ دیتے ہیں کہ اُس پر خدا کا نام یا قرآن شریف کی آیت نہ لکھی ہو جسے لوگ بہت
جانتے ہیں اُن کو بھی یہی کرنا چاہئے کہ جب کوئی ایسا کاغذ لکھا ہوا ملے تو ضرور اسے پڑھا
کریں اور عبرت پکڑیں کہ زمانہ کا انقلاب ایکدن تمام مصنفوں کی تصنیفات کا حال یہی بنائیگا
اگر اُن کے اوراق ہاتھ میں آتے پھرینگے۔ ان میں بیشمار عطار پڑیاں باندھینگے اور آتش بازی

ان کے پتھو بنا بیٹھے اور لڑکے اُن کو آگ لگا کے چھوڑ دیں گے - کاغذیوں کے ہاتھ میں اُن کی ردی پڑے گی جو اُس کو پھر پانی میں گھول کر کاغذ بنائیں گے -

(۲) تصنیفات کی چوری و مصنف +

جو مصنف بڑے نیک اور عالم ہوتے ہیں وہ کوئی اور پیشہ نہیں سیکھتے جس سے اُن کو روٹی پہنچ ہو - اگر اُن سے وہ فائدہ چھین لیا جائے جو تصنیفات اُن کو حاصل ہوتا ہے تو یہ تنگی معاش کے سبب سے اُن کا جینا مشکل ہو جائے - علم سیکھنے میں بہ نسبت اور پیشوں کے کے صرف زر بھی زیادہ ہوتا ہے اور محنت و مشقت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے - علم تلاش میں جو سفر کیا جاتا ہے اس میں خرچ بہت ہوتا ہے - بہت ہی کم یہ علم کے مسافر بھی علمی تجارت میں ایسے کامیاب ہوئے ہیں کہ وہ بندرگاہ میں صحیح سلامت اتریں اور اپنی ساری چیزوں کو مناسب قیمت پر فروخت کر کے فائدہ حاصل کریں پس اگر کوئی اُن کی حفاظت نہ کرے ملکان کو لوٹ لے تو کیا ستم ہے - بعض مصنفوں کی تصنیفات کی چوری سے زیادہ کسی اور چوری میں جرم بڑا نہیں ہے +

(۳) جیسا مصنف نیک نہاد اور عالی دماغ ہوتا ہے ایسی اس کی تصنیفات بقا و دوام رکھتی ہیں وہ ایسی بیش بہا ہوتی ہیں کہ ہرگز اُن کی قیمت ادا نہیں کی جاتی - وہ گوہر بے بہا ہوتے ہیں جنکے عوض میں خرمہرہ دئے جاتے ہیں - مصنفوں کی بڑی جائداد اُن کا دماغ ہوتا ہے جسکی پیداوار اُن کی تصنیفات ہوتی ہیں جس سے وہ ایسا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ زمیندار زمین کی پیداوار سے - اُن کی اس جائداد کا مقابلہ باہم مثل اور جائداد کے ہوتا ہے - اُن کی ایک ایک کتاب آمدنی ایسی ہوتی ہے جیسے کسی گاؤں سے یا کسی اور جائداد سے - جو مصنف ایسے ہیں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ کن باتوں کو پسند کرتے ہیں اور اُن سے خوش ہوتے ہیں تو وہی باتیں اپنی کتابوں میں لکھ کر وہ شائع کرتے ہیں جس سے اُنکی آمدنی معقول ہو جاتی ہے - تمام صنائع و اہل پیشہ نے ایجاد و اختراع

شفقت و ریاضت سے ثمرہ پاتے ہیں کوئی اُن پر حملہ آور نہیں ہوتا لیکن مصنف جو اپنے تئیں سب سے علٰحدہ ہو کر مخلوق کی عجائبات کو سوچتا ہے - جذبات انسانی کی منضبط و مغلوب کرنے کی تدابیر بتلاتا ہے - انقلابات عالم کے سبب بیان کرتا ہے جس تحقیقات میں اُسکی عمر بسر ہوتی ہے اُسکے نتیجے اوروں کے سامنے بیان کرتا ہے اُسکے سارے سرمائے کو لوگ چراتے ہیں - مگر اُن چرانے والوں کو کسی قانونی سزا کا خوف نہیں ہوتا نہ اُن کا کوئی کچھ کر سکتا ہے نہ اُن کو کچھ کہہ سکتا ہے - ادھر کوئی کتاب نظم - نثر - وعظ ہند میں شائع ہوئی اُدھر اُنہوں نے اُس کو چھوٹی جلد میں چھپوا کر ایسا ارزاں بیچنا شروع کیا جیسے کہ چوری کا مال سستا بکتا ہے - ایسے آدمیوں کا نام قزاق - راہزن - ٹھگ - چور - ڈاکو جو کچھ رکھا جائے مناسب ہے +

ادب اور تعظیم میں ریا

تعظیم و تکریم بعد ادب کے قاعدے رسم و رواج کے موافق ایسے بن گئے ہیں کہ اُن کے لئے جو الفاظ زبان سے کہے جاتے ہیں اُن کے معانی دل میں ذرا بھی نہیں ہوتے - اُن کی پابندی کے سبب سے دل میں جتنی محبت اور الفت کسی کے ساتھ ہوتی ہے اُس سے بہت زیادہ الفاظ میں ظاہر کی جاتی ہے - اس سبب سے وہ ہماری زبان کو جھوٹا بناتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کی جتنی تعظیم دل میں ہو اُتنی کرے اور جتنی محبت دل میں ہو اُسی کو ظاہر کرے تو وہ نہایت ناشائستہ اور نامعقول گنوار جانا جائے گا - اسلئے ہم کو مجبوری سے ریاکاری کرنی پڑتی ہے - مگر ریاکاری کو یوں سمجھنا چاہئے کہ الفاظ کا حال سکوں کا سا ہے کہ جب اُنکی قیمت مقرر ہو جاتی ہے اور وہ رائج ہو جاتے ہیں تو کوئی اُن میں دھوکا اور فریب نہیں کہتا - ایسے ہی یہ الفاظ جب ایسے محل پر بولے جاتے ہیں تو سب آدمی اُن کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اُن کے معانی سے غرض نہیں ہوتی - مثلاً ایک مسلمان جو دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے تو اُسکے معانی کا خیال دل میں یہ نہیں ہوتا کہ میں اُسکو یہ کہتا ہوں کہ تو دین و دنیا دونوں کی برائیوں سے بچا رہے - نہ دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ اُس نے مجھے یہ دعا دی ہے

غرض یہ رسم تعلیم کی نہیں ریاکار بنانی ہے۔ مگر یہ ریا ہر گز ایک لباس پہنا ہے۔ جس کے
پہننے میں ہم کو اسے کچھ کم تکلیف نہیں ہوتی جو اصل نیک بننے میں ہوتی۔ اب مشکل یہ ہے کہ
ریاکاری کو ہم چھوڑیں تو ناشائستہ اور بیہودہ بنتے ہیں۔ اگر ریاکار بنتے ہیں تو اپنی زبان
کو جھوٹا بناتے ہیں لیکن عقل کا مقتضا یہ ہے کہ ایسی ریاکاری بے ادبی اور بیہودگی
سے اچھی ہے +

شرم افلاس

بہت سے آدمی اپنی مفلسی کے ظاہر ہونے سے شرماتے ہیں اور بہت سی تدبیریں اُس کے چھپانے کی کرتے ہیں خاص کر وہ صاحب جن سے مراد کہ پہلے دولت مند تھے مگر اب اُن کی تمام جائداد قرض میں مکفول اور مستغرق ہے۔ لاکھوں روپیہ کی جائداد ہزاروں کے بدلہ میں برباد ہو رہی ہے یہ لوگ اپنی جائداد کو بدستور رکھتے ہیں اُس کا کوئی حصہ اس لئے نہیں بیچتے ہیں کہ لوگوں میں کم دولت نہ معلوم ہوں سارے خرچ اپنے بدستور رکھتے ہیں وہی مکان کی آرائش و زیبائش ہے۔ وہی دسترخوان فراخ ہے۔ شادی کی تقریبوں میں جو وہ پہلے خرچ کرتے تھے اب بھی خرچ کرتے ہیں اگر بلوغت کے لڑکے کی چھٹی میں چھ سال کی آمدنی خرچ کی تھی تو اب بھی ہر سال بچہ کے پیدا ہونے میں چھ سال کی آمد کو خرچ کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ہم اس حرکت سے شریف فقیروں کی تعداد بڑھاتے ہیں اس شرم کے مارے کہ ہم جیسے اصل میں مفلس ہیں لوگوں کو نہ معلوم ہوں۔ سارے اپنی امیری کے ٹھاٹھ بدستور رکھتے ہیں مگر اسے ان کا دل خوش نہیں ہوتا ظاہر میں شادی کرتے ہیں مگر دل میں غم کھاتے ہیں دوستوں کے ساتھ جلسوں میں شریک ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں مگر کسی چیز میں اُن کو لطف و مزہ نہیں آتا۔ افلاس کی شرم اُن کے دل میں کانٹے سی چبھوتی ہے۔ اُن کے تمام کارخانوں پر اوس پڑ جاتی ہے مفلسی برسنے لگتی ہے غرض ایک لوگ تو یہ ہیں کہ مفلسی کی شرم ظاہر ہونے کے سبب سے یہ خودنمائی فضول خرچی کرتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ افلاس کے خوف سے

محنت مشقت کرتے ہیں پیسے پیسے کے لئے جان دیتے ہیں ہر کام میں خست کرتے ہیں اور انکی مزدوری کرتے ہیں اور اپنے ہی آپ مزدور ہوتے ہیں بعض ان میں فریب اور جبر سے بھی لوگوں کے مال مارنے میں دریغ نہیں کرتے ہیں۔ غرض یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو قسم کے آدمی افلاس کو بہت ہی برا جانتے ہیں۔ ایک لوگ ظاہر ہونے کی شرم سے وہ حرکتیں کرتے ہیں جو انکو افلاس کے قریب لئے جاتی ہیں اور دوسرے لوگ افلاس کے خوف کے سبب سے وہ کام کرتے ہیں جو ان کو مفلسی سے بہت دور لیجاتے ہیں مگر افراط تفریط کسی کام میں اچھی نہیں ہوتی۔ اعتدال سب میں اچھا ہوتا ہے پس نہ اسراف اچھا ہے نہ بخل آدمی کو چاہیے کہ جو عقل آدمی کے واسطے اعتدال کا درجہ مقرر کرے اسکے موافق عمل کرے ہم اپنے ملک میں ہزاروں جائداد والوں کو دیکھتے ہیں کہ فقط افلاس کے ظاہر ہونے کی شرم سے اپنے تئیں برباد کر دیتے ہیں +

قیافہ و بشرہ

بعض فن ایسے ہیں کہ آدمی کو بن سیکھے آتے ہیں ان کی تحصیل میں کچھ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مثلاً نحو و منطق ہے کہ آدمی ان قواعد سے جو مدون ہو کر کتابوں میں لکھے گئے ہیں بالکل ناآشنا ہوتا ہے مگر صحیح گفتگو اور ٹھیک استدلال کرتا ہے پس ایسا ہی حال فن قیافہ کا ہے گو کوئی کتاب اسکی نہ پڑھی ہو مگر فقط لوگوں کے چہروں کو دیکھ کر ان کے دل کی باتوں کو اور ان کی خوش نصیبی و بدنصیبی کو جان لیتا ہے۔ ایک شخص کو ہم کچھ جانتے پہچانتے نہیں لیکن اسکے چہرہ کو دیکھ کر ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مغرور ہے متین سنجیدہ ہے خوش اخلاق اور نیک نہاد ہے۔ جب انجان آدمیوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو پہلے اس سے کہ ہم ان میں سے کسی کی ایک بات بھی سنیں یا ان کو جانیں کہ وہ کون ہیں ہماری طبیعت میں خود بخود بعض کے ساتھ رغبت۔ نفرت۔ بعض کی حقارت عزت پیدا ہوتی ہے

جب آدمی کے دل میں کسی جذبہ کا جوش اٹھتا ہی تو اسکے آثار چہرہ پر ظاہر ہوتے ہیں آنکھوں ہی
کی جنبش کتنے حال دل کے بتلاتی ہیں۔ التفات۔ قہر غضب۔ حقارت۔ عزت میں جو کچھ
جو دل میں ہوتا ہے اُس پر وہ مطلع کرتے ہیں عاشقوں کے واسطے توجہ ایسا ظاہر و ثابت
ہے کہ وہ اسے ہی دیکھکر مایوس۔ بےجان۔ ناراض۔ خوش ہوتے ہیں جب آدمی کسی کی
ترش اور سرکہ جبیں دیکھتا ہی تو اُس کی بیوی کے حال پر رحم کرتا ہے۔ جب کسی کو خندہ پیشانی
دیکھتا ہی تو جانتا ہے کہ اس تمام اسکے دوست آشنا۔ عزیز اقربا خوش رہتے ہونگے
ایک بڑے نامور عاقل کے پاس ایک شخص کہ اٹھا اُس نے ابھی عاقل سے کہا کہ کچھ بولو
تو میں جانوں کہ تم کیا ہو۔ اُسنے جواب دیا کہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ہمارا حال ہمارے
چہروں کے آثار سے جیسا معلوم ہوتا ہے ایسا الفاظ سے نہیں۔ جبکہ آسانی
آدمی اپنی زبان کی تلبیس سکتا ہے ایسے چہرہ کے آثار کی نہیں کرسکتا۔ غرضکہ چہرہ آثار جیسا
دل کا حال بتلاتے ہیں ویسے اُسکے خط وخال نہیں بتلاتے۔ کیونکہ چہرہ کے آثار تو
دل ہی کے حال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تو دل کی حالتوں کے آئینہ ہوتے ہیں جیسا
کہ کتاب کا عنوان ٹائٹل پیج ہوتا ہی ایسے ہی دل کا عنوان چہرہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں
نے قیافہ کو ایک فن بنایا ہی اور آدمی کے چہرہ کی بناوٹ کو دیکھکر اُس کی طبیعت اور مزاج
کے حال دریافت کرنے کے قواعد منضبط کئے ہیں وہ چہرہ کے خط وخال اور بناوٹ
سے طبیعت کا حال ایسا نہیں دریافت کرسکتے جیسے کہ چہرہ کے آثار سے۔ وہ لوگ جو اس
فن سے ناآشنا ہیں ایک بڑا قیافہ داں لکھتا ہے کہ آدمی کے چہرہ کا سانچا ایک مشابہت
ہمیشہ بیل۔ شیر۔ سور۔ بھیڑ یا کسی اور مخلوق سے رکھتا ہے پس جیسے اُسکے چہرہ کو ان
جانوروں میں سے کسی چہرہ سے مشابہت ہوتی ہی ویسی اُس کے دل کو بھی اُوس کے
دل سے مشابہت ہوتی ہی اور اُس میں وہی صفات پائی جاتی ہیں جو اُس جانور میں ہوتی
ہیں۔ مثلاً ایک شخص کا چہرہ شیر کا سا ہو تو اُس میں شجاعت اور بہادری بھی شیر کی سی

پائی جائے گی۔ اصول یہ قرار پایا ہے کہ ایک قسم کی روحیں ایک قسم کی شکل میں رہتی ہیں
مگر یہ اصول غلط ہے اسلئے کہ یہ امر آدمی کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے چہرہ کی علامات کے خلاف
اپنی عادات بنالے۔ چہرہ اس جانور کے چہرہ کے مشابہ تھا کہ جو مکار۔ ظالم۔ شریر ہوتا ہے
مگر وہ اپنے تئیں صادق بے ریا۔ عادل۔ نیک مزاج بنا سکتا ہے جو بالکل ان قدرتی علامات
کے خلاف ہوں۔ اور اس طرح سے اہل قیافہ کی تشخیص کو جھوٹا بنادے۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ
آدمی نہ اپنی صورت پر غصہ ہوتے ہیں نہ اوروں کی صورت پر حسد کرتے ہیں بلکہ اپنی تہذیب و
تعلیم سے وہ حسن سیرت پیدا کرتے ہیں کہ حسن صورت سے زیادہ پائدار اور پسندیدہ ہوتا ہے۔
گو ان کا چہرہ لنگور کا سا ہو۔ مگر وہ حسینوں سے زیادہ اپنی نیک مزاجی کے سبب لوگوں کی عزیز
ہوتے ہیں ایسے آدمی دو چند تعریف کے مستحق ہوتے ہیں کہ جو جسم برائی کے واسطے قدرتی
بنایا گیا تھا وہ نیکی سے آراستہ کیا گیا۔ بہت صورتیں ایسی دیکھی ہیں کہ انکی سیرت اور صورت
دونو ساتھی نہیں معلوم ہوتیں سقراط اسکی نہایت عمدہ مثال ہے۔ اسکے زمانہ میں ایک شخص علم
قیافہ میں مشہور صاحب کمال تھا وہ چہرہ انکو دیکھ کر طبیعت اور مزاج بتلا دیتا تھا کہ کن کن باتوں
کی طرف ان کا میلان ہے۔ سقراط کے شاگردوں کے دل میں آیا کہ استاد کو اس قیافہ شناس کے
پاس لے چلئے اور اس کا امتحان کیجئے۔ وہ سقراط کو اس پاس لے گئے۔ اس نے پہلے کبھی اس حکیم کو
دیکھا نہ تھا۔ اب اس نے اس کے چہرہ کو خوب دیکھکر کہا کہ یہ شخص بڑا نفس پرست مست شرابی
بوڑھا آدمی ہے یہ سن کر شاگردوں نے بڑا قہقہہ لگایا۔ اور سمجھے کہ آج ہم کو یہ تحقیق ہو گیا کہ یہ
علم بالکل جھوٹا اور لغو ہے لیکن سقراط نے کہا کہ یہ جو برائیاں اس قیافہ داں نے مجھ میں بیان
کیں وہ بالطبع واقعی مجھ میں تھیں لیکن میں نے ان کو اپنی علم حکمت کے زور سے معدوم کر دیا
اور میں ان کا محکوم نہیں ہوا۔ بس اس سے آدمی کو چاہیے کہ وہ علم قیافہ کی علامات کا اعتبار نہ کرے
کیونکہ آدمی ان سے بالعکس اپنی طبیعت و عادت بنا سکتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ جذبات دلی
کے سبب سے چہرہ پر جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ غلط نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو دل کی کیفیت اور

حالات ہی پیدا ہوتے ہیں اُنکو آدمی نہ چھپا سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے +

(۲۳) کمپینلا ایک بڑا صاحب کمال علم قیافہ میں تھا سو وہ اپنے اِس علم کے زور سے
آدمیوں کے چہروں کو دیکھ کر اُن کی خصائل کو اور دلی میلانوں کو بتلایا کرتا تھا سوا اس کے
اس میں یہ اور کمال تھا کہ وہ جس شخص کا حال قیافہ سے جاننا چاہتا تو اپنے چہرہ اور سارے
بدن کو اسی کے چہرہ اور بدن کے موافق ایسا بناتا کہ یہ نقل مطابق اصل معلوم ہوتی پھر اس طرح
تحویل شکل سے وہ سمجھتا کہ میرا دل بھی مثل اُسکے دل کے ہوگیا۔ پس جب یوں دونوں جسم اور دل
ایک سے ہوگئے تو وہ اپنے تئیں جانتا کہ میں وہ آدمی بن گیا جو میرے دل کے خیالات اور
حالات ہیں وہی اُسکے ہونگے اس حکمت سے وہ اوروں کے دلوں کا حال ایسا تحقیق دریافت کرتا
کہ گویا کہ وہ منقول عنہ بن گیا۔ اکثر یہ واقع ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی غضبناک حلیم خوف زدہ
بہادر آدمی کے چہرہ کی نقل اُتارتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں یہ جذبات اُٹھنے لگتے ہیں
غرض جس قسم کے آدمیوں کی صورت کی تقلید کرتا ہے ویسے ہی اُسکے دل میں جذبات پیدا
ہونے لگتے ہیں اگر کسی غضبناک آدمی کی شکل بناتا ہے تو دل میں اُسکے غصہ بھر آتا ہے۔
ایسی صورتوں کی نقل میں ان کی جذبات کا دور کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ انسان کے جسم و روح
میں وہ تعلقات ہیں کہ ایک دوسرے کے رنج و خوشی میں بغیر شریک ہوئے نہیں رہ سکتے۔ اور جس
قیافہ شناس کا ذکر ہوا وہ اپنی توجہ دلی کو جسمانی تکلیفات سے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کرنے
ایسا قادر تھا۔ کہ اگر اُسکو شکنجہ میں کھینچیں تو اُسکو بہت کم تکلیف معلوم ہوتی تھی۔ یہ تجربہ تو تھوڑی تھوڑی
تکلیفات میں سبکو ہوتا ہے کہ جب آدمی اپنی دل کو اُنسے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کرتا ہے
تو وہ تھوڑی دیر کے لئے معلوم نہیں ہوتیں اب اُس کے برخلاف اگر جسم کو کسی وساطت
ہم ایسا بنالیں کہ اس میں وہ حرکتیں نہ پیدا ہوں جو اُن جذبات کے اُٹھنے کے وقت پیدا
ہوا کرتی ہیں تو وہ جذبہ ہی کبھی نہیں اُٹھنے کا خواہ اِس کا سبب کیسا ہی اثر کرے جیسا کہ تم
افیون اور شراب کے نشہ میں دیکھتے ہو کہ وہ برعکس ہماری تمام کوششوں کے غم یا خوف یا غصہ

ملوں کو معطل کر دیتے ہیں اس کا سبب ہوتا ہے کہ وہ نشہ جسم کو ایسا بنا دیتا ہے کہ جیسا جذبات
سے اس میں حرکتیں پیدا ہوا کرتی ہیں نہیں پیدا ہوتیں +

(۳) انسان کی ساخت میں قیافہ کو بڑا دخل ہے چہرہ کی نزاکت لطافت خوبی یہ سب کی
خصلتوں کو بتلاتی ہیں جنکے سبب یہ کیفیتیں چہرہ میں پیدا ہوتی ہیں یہ جسمانی خوبیاں روحانی
خوبیوں کی ترجمان ہوتی ہیں +

(۴) پہلے جن حکماء نے اس فن کو مدون کیا تھا تو اسکی بنا اور حیوانوں کے اعضا کی نسبت بہت
پر رکھی تھی - مثلاً اگر شخص شتر گردن ہو تو اس آدمی کو شتر کینہ جانینگے یا کوئی گھڑ منہا ہو تو اس
میں گھوڑے کی صفات بتائینگے کسی بدن پر بال ریچھ کے سے ہوں تو اس میں ریچھ کی
سی خصائل لیکن اب جو اس فن کی بنا رکھی گئی ہے وہ قوموں کے چہروں کی مشابہت پر رکھی
گئی ہے مثلاً کسی شخص کی صورت شکل کسی قوم کی صورت سے ملتی ہوگی تو اسے کہدینگے
کہ اس میں وہ خصائل ہونگی جو اسکی قوم میں ہیں غرض ٹھیک ہے یہ فن کبھی سائنس نہیں بن سکتا
اسلئے کہ تعلیم تربیت۔ ادب آدمی کی طبیعت کو بالکل بدل دیتی ہیں +

تصنیفات

(۱) نیک صفت مصنف چاہتے ہیں کہ ہم جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اُسکی اصلاح ایسی
کر گئی حال کے زمانہ سے آیندہ زمانہ اچھا ہو جائے - وہ یہ نہیں چاہتے کہ علم کتابوں میں قید ہو
کتب خانہ کی الماریوں کے قیدخانہ میں بند پڑا رہے بلکہ وہ اس کو یہ چاہتے ہیں کہ وہ زبردستی
لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر بنائے منبروں اور کاغذوں پر پڑا رہے اسلئے وہ کیا تو اپنی تصنیفات
کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اشاعت کرتے ہیں یا ایک کتاب میں سب کو جمع کرکے شائع کرتے
ہیں ان کا حال طبیبوں کا سا ہوتا ہے کہ کوئی ان میں اپنے مریضوں کے واسطے ایک لمبا چوڑا
نسخہ لکھتا ہے جسمیں بہت دوائیاں ہوتی ہیں جنکے سبب مریض کو ایک مطبوخ کا قدح پینا پڑتا
ہے کوئی نقطہ کسی عرق کے دو چار قطرے بتا دیتا ہے یا دو رتی دو رتی کہلاتا ہے بس جو

مصنف پہلے طبیبوں کی طرح اپنی تصنیفات کی بڑی کتاب بناتے ہیں ان پر یہ یونانی ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ایک بڑی کتاب عذاب جان ہوتی ہے۔ جو مصنف کہ تصنیفات کی اجزا پھیلاتے ہیں جیسے کہ اخباروں اور موقت رسالوں میں تو اُن کا حال دوسرے طبیبوں کا سا ہے اگر اُن کی تصنیفات کے یہ اجزا گروہا گروہ آدمیوں کو یہ فائدے پہنچاتے ہیں کہ انکی عقل جو ہاتی ہیں اُن کی فہم کو صاف کرتے ہیں اُن کی گرانی غم کو مسرت سے ہلکا کرتے ہیں تو اُن پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ دانائی باہر کھڑی پکار رہی ہے۔ بازاروں اور گلیوں میں آوازے رہی ہے شہروں میں چلاتی ہے۔ ان مکانوں کے دروازے کھٹکھٹاتی ہے جہاں آدمیوں کا مجمع ہے کہ اے میرے بھولے بھالے کب تک تم سادہ لوح اور احمق رہو گے۔ علم سے عداوت رکھو گے جہالت کو پیار کرو گے۔ اپنے تئیں جلاتے رہو گے؟ +

(۴) ارسطو کا قول ہے کہ خیالات الٰہی کی نقل دنیا ہے اور دنیا کی نقل خیالات انسانی ہیں اب اس پر یہ اضافہ ہونا چاہئے کہ خیالات انسانی کی نقل الفاظ ہیں اور الفاظ کی نقل تحریر اور چھاپہ ہے۔ جیسے خیالات الٰہی مخلوق میں منطبع ہیں ایسے ہی خیالات انسانی کتابوں میں چھاپنے جو زمانہ حال کا ایجاد ہے کتابوں کو چاند سورج کی طرح دیرپا کر دیا ہے۔ وہ قیامت ہی کے دن زمین آسمان ستاروں کے ساتھ فنا ہونگیں۔ انسان کے دل میں جو خیالات آتے جاتے ہیں اُنکی بقاء دوام کے لئے کوئی اور تدبیر سوا کتابوں کے ہو ہی نہیں سکتی انہیں کے ذریعہ سے وہ آیندہ نسلوں تک پہنچ سکتی ہیں اس عالم میں جب مصنفوں کا جسم اور مادوں کے ساتھ ملجائے اور روح عالم ارواح میں چلی جائے تو ان کے علم کا ورثہ بنی آدم کو انکی تصنیفات ہی کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے جو نسلاً بعد نسلٍ زمانہ دراز تک چلا جائیگا اور اُن کو فائدہ پہنچائیگا جو ابتک نہیں پیدا ہوئے۔ انسان کے لئے کوئی یادگار کتاب سے زیادہ دیرپا نہیں ہو سکتیں عمارات۔ بت۔ تصاویر وغیرہ ایک عرصے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں کتاب کی جتنی نقلیں چاہو اُتر سکتی ہیں اُن کو جہاں چاہو بہونچا سکتے ہو۔ یہ نقل اصل کا

کام دیتی ہے برخلاف اور یادگاروں کے کہ وہ ایک ہی جگہہ مفید ہوتی ہیں دوسری جگہ
نقل کر نہیں جا سکتی۔ جیسے اور صناع اپنی صنعت کی چیزوں سے دولت کماتے ہیں مصنف دولت
کی جگہہ بقاء دوام اور شہرت عام پاتے ہیں پس جب تصنیفات کو یہ مداومت ہو کہ وہ
ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں جاری رہتی ہوں تو مصنف کو اپنی تمام عقل و دانش اس میں
صرف کرنی چاہیے کہ میں کوئی خیال ایسا نہ لکھوں کہ وہ بنی آدم کے اخلاق کے حق میں زہر
ہلاہل ہو اور وبا کی طرح اُن میں پہیل کر ہلاک کرے۔ بعض عیسائیوں کا یہ مذہب ہے کہ جو
مصنف بُری کتابیں لکھہ جائیں گے۔ انکی روحیں عالم برزخ میں جب تک رہینگی کہ اُن کی
تصنیفات کا بُرا اثر لوگوں کے دلوں پر ہوتا رہیگا۔ غرض تصنیفات کا اثر بڑا اور بہلا دونوں ہوا
کرتے ہیں بہت سے ملحد ایسی کتابیں لکھہ گئے ہیں کہ وہ انسانوں میں الحاد کو پہیلاتی ہیں۔
پس اچھی تصنیفات اچھی یادگار مصنف کی ہیں اور بُری بُری +

(۳) مصنف کا کام یہ ہے کہ یا تو وہ باتیں سکہائے جو اوروں کو معلوم نہیں یا جو پہلے سے
معلوم ہیں اُنکو نئے پیرایہ میں آراستہ پیراستہ کرکے اس طرح بتلائے کہ اُس سے لوگوں کا
دل زیادہ خوش ہو اور روزمرہ کی معمولی چیزوں کو ایسی نئی روشنی میں لاکر دکہائے
کہ وہ ایسی بدل جائیں کہ لوگوں کو بڑی دلکش اور حیرت انگیز معلوم ہوں اور اُن سے عقل کی
افزائش ہونے لگے اور آدمی ان چیزوں کو دیکہنے لگیں جن کی طرف وہ نظر اُٹہا کے نہیں
دیکہتے تھے مصنف کے واسطے یہ دونو کام مشکل ہیں کہ کوئی نیا امر اختراع و ایجاد کرے یا
پرانی بات کے پیرایہ کو بالکل خوبصورت و حسین بنا کے دکہا دے آدمیوں کو چاہیے کہ وہ
مصنفوں کی غلطیوں ہی کو نہ دیکہا کریں بلکہ جو باتیں صحیح لکہی ہیں اُن سے مستفید ہوا کریں اور
یہ سمجہا کریں کہ جن مصنفوں نے تصنیفات لکہی ہیں وہ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے اُنہوں
نے اپنا سارا وقت تصنیفات میں صرف کیا ہے اور مشقت شاقہ اُٹہائی ہے اُن کی قدر
کرنی چاہیے مگر ایک فرقہ ایسا ہے کہ وہ اپنا یہ فرض سمجہتے ہیں یا دل لگی جانتے ہیں کہ کسی علمی کتاب

اشاعت نہیں چاہتے اور اور — روکنے کی سو سو ترکیبیں نکالتے ہیں گویا وہ شہرت کے دروازہ پر سنتری بنے پہرہ دے رہے ہیں کہ اُس کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔ انکا دل کینوں سے اور دماغ غلطیوں اور جہالتوں سے بھرا ہوا ہے۔ جہاں کوئی جدید تصنیف شائع ہوئی ان کے بغض و حسد کو ایک نیا شکار ہاتھ لگا۔ بعض مصنف۔ دہن سگ لقمہ دوختہ بہ پر عمل کرکے بدنہاد عیب بینیوں سے اپنا بچاؤ چھپا لیتے ہیں اُنکو تحفہ تحائف وہ دیدیتے ہیں یا اُن کو کوئی خوشامد کا افسانہ ایسا سنا دیتے ہیں کہ وہ اُن کی طرف سے سو جاتے ہیں مگر جو کامل نیک نہاد مصنف ہیں وہ یہ دونو کام نہیں کرتے۔ اسلئے اِن عیب بینیوں اور بدگوئیوں کی زبان درازیوں سے اُن کو نجات نہیں ہوتی +

بیماری کی شکایت

زندگی وہی زندگی ہے جس کو صحت کی نعمت میسر ہو۔ اگر کوئی عمر رسیدہ جو اپنی عمر کا جگہ جگہ اس طرح خیال کرے کہ عمر وہی ہے جسمیں زندگی خوشی سے بسر ہوتی ہے تو اُسکی خوش حالی میں اتنی کم عمر گذری ہوگی کہ اس حساب سے وہ اپنے تئیں بچہ سمجھے گا گو وہ بوڑھا ہی ہو اس کا بڑا حصہ عمر کا بیماری۔ بدمزگی۔ کاہلی نے چرا لیا ہے۔ اسلئے ہر ایک آدمی پر فرض ہے کہ مزاج ایسا بنائے کہ وہ خوش و خرم رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ جتنا زندگی بسر کرنے کا علم اُن کا زیادہ ہوتا جاتا ہے وہ اور زیادہ غمزدہ اور افسردہ ہوتے جاتے ہیں سچی خوشیوں پر اُن کی نظر نہیں ہوتی۔ اوروں کی جھوٹی خوشیوں پر خیال کرتے ہیں۔ پس آدمی حقیقت میں دائم المریض ہیں اُنکو صحبت احباب سے ایسا بچنا چاہیئے کہ مریض کو ہوا سے۔ بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ جب وہ صحبت احباب میں بیٹھیں گے تو اپنے علالت مزاج کی شکایت کا دفتر کھول بیٹھیں گے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دوست طبیب نہیں ہیں علاج کرینگے۔ دوستوں کو چاہیئے کہ وہ مجلس احباب کی مسرت کو اور زیادہ کریں نہ یہ کہ اپنی علالت کے ذکر سے اُن کو بیچ میں ملول کریں۔ یا اپنے چہرے ملالت آمیز بنائیں ا

آدمی نہ خود خوش رہیں اور نہ اوروں کو خوش کریں ——— سوا اس بات اور رنج و مصیبت کے
کوئی اور بات ہی وہ نہیں کرتے تو فلاں کے دوست یہانتک تنگ ہوجاتے ہیں کہ دو
جب اپنے درد سر کا بیان کرتے ہیں تو دوست پوچھتے ہیں کہ آج کی ڈاک میں کیا کیا خبریں
آئیں جہاں وہ مجلس میں آئے انہوں نے اپنے امراض کا ذکر چھیڑا صاحب خانہ نے نوکر کو
آواز دی کہ لال ٹین لاکر ہمارے اس دوست کو گھر پہنچا آؤ اور ان کو صلاح دی کہ بہتر ہوگا
کہ آپ اس وقت آرام فرمائیں یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ دوستوں کو مجلس عیش کو ایسی غمگین باتوں
سے منغص نہیں کرنا چاہئے۔ جو دائم المریض ہوں انکو اول ایسے جلسوں میں جانا نہیں چاہئے
اور اگر جائیں تو جب تک مجلس ختم ہو کوئی بات اپنی علالت و غم کی زبان سے نہیں نکالنی
چاہئے۔ ان کو یہ باتیں جاننی چاہئے کہ اول تو بیماری ایسی چیز نہیں جسکے سبب سے آدمی
روئے۔ کوئی شخص ہمیشہ تندرست نہیں رہ سکتا۔ انحطاط کی حالت میں علالت ضرور ہے
بعض خدا پرست اس علالت کو خدا کی نعمت و برکت سمجھتے ہیں اور فانی ہونے کو بھول جاتے
ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کو اپنی بقا جانتے ہیں موت کو معمولی سونے سے ہی کم
سمجھتے ہیں اور اپنی حیات میں اُسکو مخل نہیں جانتے غرض وہ اپنی زندگی مسرت و انبساط سے
بسر کرتے ہیں نہ علالت سے غمگین ہوں نہ موت سے خوف کریں۔ یہ امر یقینی ہے کہ حیات و صحت
کو ایک مدامی ضیافت خیال کرنے میں مسرت و انبساط ہی مگر آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے
دل کی کیفیت کو ایک حال پر رکھے نہ یاوری بخت پر ایسا خوش ہو کہ پھولا نہ سمائے
نہ بدنصیبی سے ایسا ملال کرے کہ دم گھٹ جائے۔ غرض ایک حالت میں ہنسنا اور دوسری
حالت میں رونا دونو جوانمردی اور مردانگی سے بعید ہیں اور طبیعت کی دنائت اس سے ظاہر
ہوتی ہے۔ ایک حکیم نے لکھا ہے کہ ہماری حیات کیا ہے ؟ ایک وہی چھوٹے چھوٹے ذلیل
کام ہونگا سوتے ہیں جاگتے ہیں کپڑے پہنتے ہیں ننگے ہوتے ہیں کہاتے ہیں بھوکے ہوتے ہیں کچھ کام
کرتے ہیں یا کھیلتے ہیں تھک جاتے ہیں پڑ کر سو جاتے ہیں۔ پھر وہی دور پہلے رونکا سا شروع ہوتا

اس طرح ہم میں اور وحشی حیوانوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ وہ کسی اصطبل یا کھیت میں سوتے
ہم بستر پر سو رہے ہیں۔ انسان کو جو شرف حیوان پر ہے وہ فقط عقبیٰ کے خیال کے سبب سے ہے
پس انسان کے خیال کرنے کی چیز کوئی عقبیٰ سے زیادہ نہیں اگر عقبیٰ کی نعمت پانے
سے انسان مایوس ہوا تو اس کا حال یہاں اور اہل دنیا کا سا رہا۔ اسکو کوئی زیادہ تکلیف
نہیں ہوئی اگر کامیاب ہوا تو سعادت ابدی ہاتھ لگی +

عیش و طرب

جہاں عیش و طرب کو غلبہ ہو وہاں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں مغلوب ہیں۔ ناز و نعم کی رغبت ہمیشہ
دل کو عیش و طرب کی حرص دلاتی ہے۔ اور اسی کو مقصد عظیم زندگی کا ٹھہراتی ہے۔ یہ عقل و
فراست کی جڑ کاٹتی ہے۔ اور اُنکی جگہ خیالات پریشان اور خواہشہا پراگندہ پیدا کرتی ہے
زنانی صحبتوں میں عیش و طرب کو زیادہ دخل ہے۔ بعض دفعہ یہ جھوٹی بدکار عورتیں ہاتھ
سے نکل جاتی ہیں یا ہاتھ نہیں آتیں پھر اُس وقت ان عیش اُڑانے والوں سے پوچھو
کہ کیا زندگی تلخ ہوتی ہے۔ شاید کوئی کم بخت سخت مجرم بھی ایسا نہ ہوگا جسکی ایسی قلق
کے ساتھ گذرتی ہوگی جیسی اُنکی۔ اگر وہ پھر اُنکو مل جاتی ہیں تو چند روز میں اُن سے دل
بھر جاتا ہے اور پھر رغبت نہیں رہتی۔ تواتر عیش و طرب اُن کے عیش کے مزہ کی قابلیت
کو ضعیف کر دیتا ہے اور آخر کو ان میں عیش کی لذت اُٹھانے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اور عادت
اُن کو ناز و نعمت کی ایسی پڑ جاتی ہے کہ وہ کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتے۔ کسی نیک کام کر
کی فرصت اُنکو عیش نہیں دیتا۔ تلون مزاجی۔ تاخیر کے ساتھ کام کرنا اُن کی عادت میں داخل
ہو جاتا ہے۔ دن کو جو عیش کرتے ہیں اُسکا خیال رات کو خوش نہیں کرتا۔ علاوہ اسکے گرانخوابی سے
اُٹھتے ہیں تو طبیعت میں چستی ہوتی ہے نہ عقل و فہم میں درستی۔ غرض یہ عیش جس لطف و
حظ کے واسطے کیا جاتا ہے وہ احتظاظ اور التذاذ کی قابلیت کو کھو دیتا ہے۔ اسراف دولتمند
کو مفلس بناتا ہے۔ تاجروں کا دیوالہ نکلواتا ہے۔ اولاد کے لئے ورثہ میں امراض و تنگ

ہم میں کوئی کارعظیم اُن سے انصرام نہیں ہوتا۔ کارہائے بزرگ کے کرنے والے وہی افسر ہوتے ہیں جن کی ذات میں فراتی جوہر شجاعت ہوتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں جب کھڑے ہوتے ہیں تو وہ منصوبے ایسے باندھتے ہیں کہ جس سے اپنے ملک کا اپنی قوم کا علم فتح بلند ہو۔ گو اُن کے منصوبے محقق نہیں ہوتے ہیں مگر اُن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ منصوبہ بندی ایسی کریں۔ وہ اپنے مرنے جینے کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ خوف کا خیال اُن کو ذرا نہیں ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب موت قریب آجائے تو اس سے خوف کرنا عبث ہے وہ فوجوں کا مقابلہ بہادرانہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس سے بھاگ کر ہم بچ نہیں سکتے میدان جنگ میں وہی بہادری دکھا سکتے ہیں کہ جنکو اپنی جان کی ذرا پروا نہ ہو۔ اگر اُن کو ذرا بھی خوف ہوگا تو عزت اور عظمت معرکہ کارزار میں نہیں حاصل کرسکتے۔ اس خوف کا نہ ہونا اور اپنی جان سے بے پروا ہونا اپنے سپاہیوں کی جان بچاتا ہے۔ اپنے ملک کو نیک نام کراتا ہے۔ اُسکی محبت قومی اور ملکی کو ثابت کرتا ہے۔ سپاہیانہ زیست میں وہی خرمی و شادمانی ہے جو کسی اور طریقہ زیست میں ہوسکتی ہے۔ انہیں پر تمام ملک کی شان و شوکت موقوف ہوتی۔ جو افسر نیک نہاد بہادر جوانمرد ہوتے ہیں وہ سپاہیوں کو بھائی جانتے ہیں اسلئے کہ وہ انہیں کی نوع کے ہوتے ہیں اور جو افسر ماتحت ہوتے ہیں اُن کو اپنا دوست اور اپنا ساتھی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ سب آفت نجابت میں شریک ہوتے ہیں سپاہی کا کام اپنے تئیں خوش کہنا ہے۔ اسلئے وہ دشمنوں کی خونریزی اور ان کے ملک کی ہر طرح کی بربادی پر ذرا رحم نہیں کرتا۔ اُن کے لوٹنے مارنے کو اپنا ایمان جانتا ہے۔ اور اس سے شاد ہوتا ہے +

پیری میں جوان بننا

قدرت نے جیسی ہر چیز کی حد مقرر کی ہے ایسی ہی زندگی کی بھی حد مقرر کی ہے پھر بڑہاپے پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پس جب ہماری آرزوئیں خاطر خواہ پوری ہوئی ہوں تو بڑہاپے

کی نکان سے بچنا چاہیے۔
کوئی شریف یا تعلیم یافتہ۔ بوڑھا جوان بننا چاہے تو اسکی برابر کوئی حماقت دنیا میں نہیں ہے
بوڑھوں کو جوان بننے کی خواہش اکثر اُس وقت ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی جوانی کی محبوب
چیزوں کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم اُن کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں برت سکتے جو پہلے
برتتے تھے تو اُس سے وہ دل میں ذلیل ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ پہلے ہی برتاؤ
شرم آلودہ تھے یہ چاہنا کہ ہماری جوانی اور طاقت جسمانی عود کرے اور ہمارے رگ پٹھے
ایسے مضبوط ہوجائیں جیسے کہ جوانی میں تھے۔ بالکل حمق اور بچپنے کی نشانی ہے۔ پیری میں
رگ پٹھوں کے قوی ہونے کی خواہش ایسی ہی جیسے جوانی میں سانڈ اور گھوڑے کی برابر
طاقت چاہنی۔ یہ دونوں آرزوئیں نیچر کے خلاف ہیں جو انسان کو ان چیزوں کی طرف
ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے جو عدالت۔ قانون عقل کے خلاف نہیں ہے جو جوان پہلے بازاری
اپنی شہوت پرستی کا اعلان کرتے ہیں اگر ان کو موت نہ آئی تو ضرور ان کا بڑھاپا ذلت و
خواری سے بسر ہوگا جب بوڑھا آدمی اپنی جوانی کے عیشوں کو یاد کرکے ہاتھ ملتا ہے تو اُسکا
دل کو بڑا میلان اس طرف ہوتا ہے کہ جو چیزیں میرے پاس سے چلی گئی ہیں وہ پھر آجائیں مگر
ان کا پھر آنا انتظام الٰہی کے خلاف ہے۔ وہ جتنا بن ٹھن کر اپنے تئیں جوان بناتے ہیں اتنا
ہی وہ لوگوں کو اپنے اوپر ہنسواتے ہیں جو لوگ جوانی کی ہوا و نفسانی کو نہیں رد کرتے
وہ بڑھاپے میں اپنے اعضا سے شہوت پرستی نہیں کرسکتے۔ مگر ان کے خیالات اسی طرز
رہتے ہیں اب ذرا ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ پیری میں ہم سے کیا چھن جاتا ہے سال ور کے
گذر جانے سے ضرور ہماری جوانی کی اُمنگیں جاتی رہتی ہیں۔ جوانی میں جو ہمارے جذبات
جوش و خروش ہوتے تھے وہ ٹھنڈے ہوجاتے ہیں اور ایسے جو کام پہلے ہوتے تھے ا
نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی بجائے بڑھاپے میں عقل میں استاد زور آجاتا ہے کہ وہ
بات کو بے جا کام نہیں کرنے دیتی۔ آگاہی زیادہ ہوجاتی ہے عقبیٰ کا خیال زیادہ ہوتا ہے

نیک نامی کا خیال ہوتا ہی متقی پرہیزگاروں کے ساتھ صحبت میں زیادہ دل لگنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر جوانی نیک بختی اور سعادتمندی کے ساتھ گذری ہی تو اس کی یاد دل کو خوش کرتی ہے اور اگر شرارت کے ساتھ بسر ہوئی ہی تو اب اُس کی یاد دل کو تسلی دیتی ہی کہ وہ بدکاری اب ہم نہیں کرتے جب بڑھاپا آجائے تو آدمی یہ جانے کہ سفر کی شام آگئی اور آفتاب عمر سر پر سے ڈھل گیا۔ جوانی میں زندگی ایک بخار تھا جس کے اندر عیش بمنزلہ خواب کے تھا پس اس موسم زندگی کی عود کی آرزو ایسی عبث ہی جیسے کہ تندرستی میں اس کا افسوس کہ میں اپنی نیند میں خواب کے اندر جو سونے چاندی کے ملمع کے محل معشوقوں کے جلوے سبزہ وگلزار کی بہار دیکھ رہا تھا وہ سب مجھ سے چھن گئے۔ پیری وجوانی کی حالتوں میں نفع نقصان یکساں ہیں اسلئے ان کے بدلے کی آرزو کرنی سے کچھ فائدہ نہیں جوانی اور پیری کا تعلق موت سے یکساں ہی۔ نہ بوڑھا کہہ سکتا ہے نہ جوان کہ میں آج رات کو ضرور زندہ رہونگا جوان جلد بیمار ہوتے ہیں اُن کے امراض میں تشدد ہوتا ہے۔ تندرست ہونا بھی مشتبہ جوان جتنے زیادہ دنوں تک جینے کی امید کرسکتا ہی اتنے دنوں کی بوڑھا نہیں کرسکتا۔ مگر یہ جوان کی امید عقل کے خلاف ہی اسلئے جو امر محقق نہ ہو اسکی امید کرنی لغو ہے۔ بوڑھے کو ایسی امید کرنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ وہ تو زیادہ دنوں تک جی چکا ہے اس اعتبار سے وہ جوان سے بہتر ہے۔ ایک زیادہ جینے کی امید کرتا ہے دوسرا زیادہ دنوں تک جی چکا ہے جس کی ایک کو امید ہی وہ دوسرے کو حاصل ہوچکی ہے۔

افسوس ہے انسان کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں جس کے دیرپا ہونے کی امید کیجائے عمر ختم ہونے والی ہو اسکے جاری رہنے کی قدر کچھ نہیں ہوسکتی۔ اگر سال و ماہ وساعت گذرے جاتے ہیں مگر آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کس سال کس مہینے کس ساعت میں مرونگا تماشا گر کی یہ خوبی ہے کہ وہ ہر تماشہ گاہ میں اچھا تماشا کرے۔ ایسے ہی عاقل ہی ہر منزل میں نیک طریقوں پر چلے اگر اسکی تھوڑی عمر نیک بختی اور سعادتمندی کے ساتھ بسر ہو

تو اُس کو وہ کافی جانے۔ اور زیادہ جینے کی پرواہ نہ کرے +

تشفی و تسلی

جو تیرے رنج و قلق کو دور کرکے راحت پہنچائے تو اُس کا احسان مان کر شکر گزار رہ

فائدہ خوشی کی تحقیقات کرنی اور اس کے حاصل کرنے کے قواعد جاننے انسان کے لیے ایسے نہیں ہیں جیسے کہ قلق و رنج میں اپنے تئیں سنبھالنے اور دوسروں کے غم و الم دور کرنے کے قواعد جاننے اور تحقیق کرنے سودمند اور ضروری ہیں۔ اس امر پر انسان کو غور و خوض کرنا ضرور ہے کہ میں اس وقت اور آئندہ کس طرح آرام سے رہ سکتا ہوں۔ دنیا میں ساری خوشیاں جو آدمیوں میں پھیلی ہوئی ہیں سمیٹ کر ایک آدمی کو دیدی جائیں تو وہ بہت خوش نہیں ہوگا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر دنیا کے سارے مصائب جمع کرکے ایک آدمی کو دیدئے جائیں تو وہ بہت مصیبت زدہ بن جائے گا +

انسان کو عشق میں سب سے زیادہ رنج و قلق ہوتا ہے اور اُس کا علاج بھی کچھ نہیں ہے اسلئے کہ عشق انسان کے دل کو اپنے تابع کرکے ایسا کمزور کرتا ہے کہ اُس میں غم و الم کے مقابلہ کی قابلیت ہی جاتی رہتی ہے۔ اور قسم کے رنجوں میں دل میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ استقلال و صبر سے اُن کے صدموں کو اُٹھا سکتا ہے مگر عشق میں تو سرے سے دل ہی میں طاقت نہیں رہتی مقابلہ کس طرح کرے اُسکی جڑ ہی اُکھڑ جاتی ہے۔ وہ ان حادثات کے بوجھ کے نیچے دب جاتا ہے جو اُس کے دل کو پسند نہیں ہوتے۔ ایسے رنج و مصیبت کی حالت میں کوئی تو اخلاق کی کتابوں کو پڑھ کر اپنا علاج کرنا چاہتا ہے۔ ایسی کتابیں اُس کے دل کے واسطے ایک حصن حصین بنا دیتی ہیں کہ وہ رنج و الم کے حملوں کی برداشت کرتا ہے۔ کوئی ظرافت لطافت و فصاحت کی کتابوں کے مطالعہ سے غم غلط کرتا ہے۔ کوئی ایسی کتابیں ہاتھ میں لیتا ہے کہ جن میں مصائب عظیمہ کا حال اور اُن میں انسان کی طبیعت کی کیفیت بیان ہوتی ہے۔ اُن سے اپنی مصیبت کو مقابلہ کرکے دل کو تسلی دیتا ہے۔ غرض ان کتابوں کا پڑھنا

طمانیت پر موقوف ہے بعض آدمی جب اُن کی حالت ایسی ہوتی ہے رنج و بلا کا بوجھ اُن کی پیٹھ ہی ڈالتا ہے اور آنکھ سے آنسو نکلے ہی آتے ہیں کسی طرح تھمتے ہی نہیں تو وہ ایسے نیک اور لائق آدمیوں میں جا بیٹھتے ہیں جو خود بڑے مصیبت زدہ ہوتے ہیں اگر اُن کے رنج خفیف ہوتے ہیں تو وہ اُن کے بھاری رنجوں سے مقابلہ کر کے تسلی پاتے ہیں مال کا تھوڑا نقصان بیماری کی غشی - دوست کی موت یہ رنج اُن مصائب کے مقابلہ میں خفیف ہیں کہ کوئی شہر جل کر خاک سیاہ ہو - خاندان کے خاندان تہ تیغ ہوں - ہزاروں قیدخانہ میں پڑیں اور اس قسم کے اور غمناک حادثات جو انسان پر واقع ہوتے ہیں ہیں یہ خیال کرے کہ ہم ان میں گرفتار نہیں ہیں اپنے خفیف رنجوں پر مُنہ بگاڑ کے اپنی خفت عقل کو نہیں ظاہر کرنا چاہیے مثلاً کسی کو اپنے عاشق کے مرنے کا رنج ہو تو اُسکو یہ سوچنا چاہیے کہ اُس وقت دُنیا کے مختلف حصوں میں کہیں جہاز کے تباہ ہونے سے آدمی ڈوب رہے ہونگے - کہیں بستر پر آدمی نزع کی حالت میں لوٹ رہے ہونگے - کوئی اپنے جرموں کی سزا میں شکنجہ میں کھینچ رہا ہوگا - اور اسی طرح کے رنجوں کے تصور سے دل میں خیال آئیگا کہ میرا رنج ان رنجوں کے مقابل میں خفیف ہے - دل کو خدا کی طرف لگائے عبادت میں مصروف ہو تو بھی رنج میں خفیف ہو جائیگی

تلوّن مزاجی

اصل گناہ بھی انسان کو خلق کی نگاہ میں ایسا ذلیل و خوار نہیں کرتے جیسا کہ متلون ہونا مذہب میں یا اپنے فریق میں - جب آدمی مذہب یا اپنے فریق کو یہ سمجھ کر بدلتا ہے کہ میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہوں تو وہ جن کو چھوڑتا ہے وہ اُس سے نفرت کرتے ہیں جن میں جاتا ہے وہ اُسکی دل سے عزت نہیں کرتے - اِن دونو باتوں میں انسان کا اعتقاد اور یقین بڑا پکا چاہیے - اس میں جہاں تک ممکن ہو فائدہ دنیوی اور طمع ولالچ کو دخل نہ دے - دنیا کے اندر لوگوں کے دلوں میں ایسی خباثت بھری ہوئی

کہ وہ جب آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی طرف بڑھتا ہے - ڈھل مل ہے کبھی کسی طرف
جھکتا ہے کبھی کسی طرف - تو اُنکو یہ سمجھتے ہیں کہ کیا تو اُس کی طبیعت خفیف ہے
جو یہ خفیف حرکتیں کرتی ہے - یا دنیاوی اغراض دامنگیر ہیں -

جو آدمی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں یا تارک المذہب ہو جاتے ہیں
اُن کو اس بات کا بڑا لحاظ چاہیے کہ وہ دنیا پر ثابت کریں کہ ان کاموں کو نیک نیتی
سے کیا ہے خواہ اُن کا دل اور اُن کے ہم مذہب اس حرکت کو کیسا ہی اچھا جانیں
مگر وہ یہ خوب جان لیں کہ سب نیک آدمی اُن سے نفرت کرتے ہیں اور عوام اُن کو بدنام
کرتے ہیں اور اُن پر ہنستے ہیں + ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے واسطے جو تدابیر انتخاب کرتے
ہیں اُن کی پیروی استقلال کے ساتھ نہیں کرتے اس میں تلون اختیار کرتے ہیں یہی
ہماری ناخوشی اور رنجوں کا بڑا سبب ہوتا ہے - بلند نظری ہم کو ایک طرف کشش
کرتی ہے - خودغرضی دوسری طرف گھسیٹتی ہے میلان خاطر اور طرف لے جاتا ہے
عقل ان سب طرفوں کے خلاف اور سمت میں بلاتی ہے - جو ان سب طرفوں میں چلنا چاہتا
ہے اپنا وقت بُری طرح ضائع کرتا ہے - جب آدمی کے لئے ایسی بوقلموں ترغیبیں پیش
ہوں تو بہتر ہے کہ پہلے اس سے کہ بڑھاپا آئے یا موت کا پیغام آئے اور اور آدمیوں کی
نذر ہو جائے - وہ قطعی فیصلہ کرکے اُن میں سے ایک کو پسند کرے - اسی کو مقصد اعظم اپنا بنالے
اور تا دم مرگ اُس کی پیروی میں سعی کرے - اگر ہم احکام عقل کا محکوم ہونا بغیر خیال دوام
اور نیکنامی وغیرہ کے پسند کریں تو اپنی زندگی خوشی سے بسر کریں گے - اگر ہم دانا ہونا چاہتے
ہیں تو فقط نیک ہی ہونا نہیں چاہینگے بلکہ دولتمند ہونا بھی ہر دل عزیز ہونا بھی
اور ان اشیا کا حاصل کرنا بھی جنکی دنیا قدر کرتی ہے تو ہماری زندگی تلخ گذرے گی -
انسان میں تلون کا عیب ایسا ہے کہ اس سے باز رہنے کے لئے آدمی کو نہایت خبرگیری
اور احتیاط چاہیئے - دنیا میں قدرت الٰہی نے انسان کی برابر کوئی چیز تغیر پذیر نہیں بنائی

ہماری سمجھہ ایسی ہے ایک ہی رائے کو کبھی قبول نہیں کبھی کرتے ہیں انسان سے برتر مخلوق فرشتے
ہیں اور کمتر حیوان ہیں ان دونوں میں ایسے تغیر نہیں ہوتے جو انسان میں ہوتے ہیں۔
حیوانوں میں تو سرے سے برے ہی نہیں ہیں یا ہیں تو وہ ایک ہی ہے اس میں کبھی تبدل نہیں ہوتا
فرشتہ کی سرشت میں یہ تلون نہیں ہے۔ ہم اپنے ارادہ سے گناہ کرتے ہیں کبھی اس سے
اپنے تئیں بری کرتے ہیں۔ کبھی خدا کو ناراض کرتے ہیں کبھی راضی کرنے میں کوشش
کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی عفو کی دعا مانگتے ہیں۔ کبھی نفرت کے قابل کبھی رغبت کے
قابل کام کرتے ہیں اس تلون میں ساری زندگی اسی طرح گذرتی ہے۔ کوئی زندگی
کی حالت انسان کے واسطے ایسی نہیں کہ جسمیں دل کے اندر تغیر پیدا ہو۔ لڑکپن کے خیالات
کی صورت جوانی میں کچھہ اور ہی ہو جاتی ہے۔ بعض ان میں سے بالکل جاتے ہی رہتے
ہیں بڑھاپے میں پھر آدمی بیرنا بالغ ہو جاتا ہے۔ بچوں کے سے خیالات کرنے لگتا
ہے۔ ایک عمر کے خیالات دوسری عمر کے خیالات سے مختلف ہوتے ہیں۔ جب کوئی نیا
خطاب ملتا ہے یا کوئی نعمت غیر مترقبہ مل جاتی ہے تو ہم اپنے آپے سے ایسے باہر
ہو جاتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتے کہ ہم وہ خود رہے ہیں۔ گھٹا کا دن۔ تھوڑی سی
دھوپ بہت سے آدمیوں پر ایسا اثر کرتی ہے جیسے کہ اصلی نعمتیں اور مصیبتیں۔ ایک
خواب ہماری ہستی کو بدل دیتا ہے اور جب وہ ختم ہوتا ہے تو کچھہ اور حالت کر دیتا ہے
بیماری اور صحت کے سواء ہر ایک جذبہ ہمارے جسم اور دل کو ایسا بدل دیتا ہے کہ
ہم ایک اور ہی مخلوق معلوم دینے لگتے ہیں پس ملائک اور حیوانوں میں انسان کی
تمیز اس تلون کے عیب کے سبب سے ہوئی ہو تو جو بنی نوع آدم میں اپنے تئیں ایسا بنائے
کہ وہ تلون کے عیب سے پاک ہو اور جو آج ہو وہ وہی کل ہو اور کسی تغیر کا سایہ
اپنے اوپر نہ پڑنے دے۔ اس کو سمجھو کہ ایسا صاحب کمال ہے کہ اعجاز
کرتا ہے ❀

نیک طینتی

ہر شخص کے مزاج کا متحمل ہونا جسنے گفتگو کرنی ان کے میلان طبائع کے ساتھ موافقت کرنی کسی سے مخالفت نہ کرنی۔ کبھی اپنے تئیں اوروں سے برتر نہ دکھانا یہ سب اطوار آ ہیں کہ جو کوئی اختیار کرے وہ تعریف کے قابل بغیر حسد کے ہو سکتا ہے گو قدرت کی طرف سے انسان کے پیچھے سیکڑوں رنج و تکالیف لگی ہوئی ہیں۔ مگر ہم اُنپر بھی آپس کی ظالمانہ مدارات سے اور مصائب کا اضافہ کرتے ہیں اور اپنے حسد۔ حقد۔ دغابازی۔ رنج ہمسایوں کے ساتھ نا اتفاقی سے اور اپنے سر پر ان تکلیفوں کے وزن کو زیادہ بوجھل کرتے ہیں۔ ہمارا بہاری یہ ایک طوفان کل بنی آدم پر آیا ہوا ہے جسمیں وہ باہم ٹکراتے ہیں۔ اگر نوع بشر رحم دلی۔ فیاضی۔ تواضع با یکدگر اختیار کرے تو رنج و مصائب آدھے سے بھی کم رہ جائیں۔ یہ بات جب ہو سکتی ہو کہ نیک طینتی اپنے پیرا اور راوں میں پیدا کریں جس سے حماقت اور گستاخی کی برداشت ہو نیک طینتی گفتار میں وہ انداز دکھاتی ہے کہ ذکاوت سے زیادہ لطف و پسندیدگی پیدا کر دیتی ہے چہرہ میں وہ ایک آن نمایاں کرتی ہے کہ خوبصورتی سے زیادہ بھلی لگتی ہے۔ وہ نیکی کے نور کو چمکاتی ہے کہ بدی کی تاریکی مٹ جاتی ہے۔ دنیا میں تمام صحبتیں جلسے آپس کی باتیں قائم ہوتی ہیں یا ان چیزوں سے جو اُسکے مشابہ ہوں یا قائم مقام ہوں۔ اسلئے آدمی ایک مصنوعی نیک طینتی اپنے میں پیدا کرتا ہے اور اُسکو اصلی نیک طینتی کی نقل بناتا ہے یا اُس کا قائم مقام و اُسکا نام خوش خلقی رکھتا ہے۔ دنیا میں سب جگہ یہ خوش خلقی جو عبارت مروت آدمیت ملائمت سے ہے نیک طینتی کی نقل اُتار رہی ہے۔ اگر ظاہری بناوٹ اور انسانیت کی بنا نیک نہادی پر ہو تو اُس سے انسان ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ نری ریاکاری بن جاتی ہے جب لباس تقدس کی صورت برہنہ ہو جاتی ہے تو وہ ناخدا پرستی سے بھی زیادہ حقارت کے قابل ہو جاتی ہے۔ اکثر نیک طینتی انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتی تو ایک شخص بہی انکو ایسا نہ ملا۔ وہ ایسا نیک ہوتا کہ اُس میں کچہہ بُرائی نہ ہوتی
نہ کوئی ایسا بد ملا کہ اُس میں کچہہ نیکی نہ ہوتی۔ غرض کوئی اُن کو اپنے پرانے اہل وطن کی مثل
نہ ملا۔ مگر اُن کو تحقیقات کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ بہت بُرے آدمی کے دل پر خوشی سو میں حصہ
مسلط ہونے کا حق رکہتی ہے اور بہت نیک آدمی کے دل پر دو تہائی قبضہ پانے کا رنج مستحق ہے
مگر اس طرح قبضہ پانے پر اُن کے درمیان بڑے جہگڑے کہڑے ہوتے۔ اسلئے اُنہوں نے
آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم آپس میں بیاہ کر لیں پس اسی طرح یہ رنج و خوشی میاں بیوی ہو کر
توام رہنے لگے۔ وہ انسان کے دل میں کیا دونو ساتہہ آتے ہیں یا بعد ایک دوسرے کے
اگر رنج پہلے آیا تو اُسکے بعد خوشی آئی۔ اگر خوشی پہلے آئی تو اُسکے بعد رنج آیا۔ ان میں بہت بعد
کبہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ دونو آپس میں شادی کرکے خوش ہو گئے۔ مگر جیوپیٹر کا مطلب جو
انسان کے درمیان ان کے بہیجنے کا تہا وہ نہ حاصل ہوا۔ اسلئے اُس نے دونو خاندانوں
کی مرضی سے کر یہ فیصلہ کیا کہ جب ہر آدمی مرے اگر اُس میں زیادہ تر نیکیاں ہوں تو اُس کو
خوشی بہشت کے لئے راہداری کا پروانہ لکہہ دے کہ وہاں وہ نیکی۔ سعادت۔ دیوتاؤں
کے ساتہہ رہے اور اگر اُس میں برائیاں زیادہ ہوں تو رنج جہنم کے لئے پروانہ راہداری لکہہ
دے وہاں جا کر مصیبت۔ برائی۔ غضب و قہر کے ساتہہ رہے +

ذہانت

انسان کے لئے ذہانت بہلے کام کرے تو اس سے زیادہ کوئی مفید نہیں اگر بُرے کام کرے
تو اس سے زیادہ کوئی مضر نہیں۔ عدالت اور عقل کے موافق ذہانت کی قدر و منزلت کرنی
چاہیئے۔ ایک وکیل کی اس وقت قدر و عزت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی ذہانت سے مظلوم کی داد رسی
کرائے۔ ظالم کو سزا دلائے جو ناحق قرض لے اُس کو قیدخانہ بہجوائے۔ اگر برخلاف اسکے
اُس کی ذہانت جہوٹ کو سچ اور سچ کو جہوٹ بنائے تو قابل حقارت ہے۔ عطیات قدرت اور
کمال صنعت جب ہی بیش بہا ہوتے ہیں کہ وہ نیکی کی خاطر کام میں لائے جائیں۔ کوئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جس وہ مقدس سمجھتا ہے کوئی اپنی عمر کے سالوں کی تعداد کے موافق نمبر لے کاغذ میں
یوں اپنی حماقتیں دکھاتے ہیں ورنہ یہ برابر لگاتے ہیں قسمت جسے چاہتی ہے ہراتی
جتاتی ہے۔ تعجب ہے کہ نجومی جوتشی۔ فال گو اور قسم کے غیب گو ان لاٹریوں پر توجہ
نہیں ہوتے کہ کوئی اپنی علم کی بدولت ایسے نمبر کی چٹھی نہیں لیتے جس میں جیت ہی
جیت ہو۔ اور نہ اور چٹھی ڈالنے والے ان سے پوچھتے ہیں اگر ان لوگوں کا علم سچا ہوتا
تو وہ اس لاٹری کے اعداد جوؤں میں نہال ہو جاتے ہمیشہ نہیں تو بارہا ہوتے +

امرائی لیوی

سب جانتے ہیں کہ جب بڑے بڑے حکام اور امرا کی لیوی ہوتی ہے تو بڑے بڑے آدمی بھی
بھڑک کی پوشاکیں پہنتے ہیں اور بن سنور کر وہاں جاتے ہیں۔ یہ لیوی کیا ہے؟ وہ یہ ہے
کہ ایک جم غفیر اس امر کا اقرار اور اظہار کرے کہ ہم ایک آدمی کو عاقل۔ دانا۔ شجاع
صاحب قدرت مانتے ہیں کسی ظریف کا قول ہے کہ ثروت میں عقل جاتی رہتی۔ سو یہ صاحب
ثروت جو لیوی لیتا ہے وہ فقط لیوی ہی کی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا۔ بلکہ سمجھتا
ہے کہ مجھ میں اور آدمیوں سے زیادہ عقل وحواس نئے آگئے ہیں اور میری قابلیتیں اور
لیاقتیں ایسی وسیع ہو گئی ہیں کہ اور آدمیوں کی عقل انکو اندازہ نہیں کر سکتی۔ یہ انسان
کی عقل اور سمجھ کا اوچھا پن ہے لیوی میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ گروہ ہا گروہ آدمی
اپنی آزادی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی غلامی دکھاتے ہیں اور ایک آدمی کی عقل
کھوتے ہیں +

مباحثوں میں تکرار و فساد

مہندس مسائل ہندسیہ میں منطقی اشکال و حدود میں طبیب علاج و پرہیز میں پیرا ... واقعات میں
وکیل مقدمات کی وجوہ میں۔ غرض ہر اہل فن اپنے فن میں گفتگو و مباحثہ کرے تو مضائقہ
نہیں ہے مگر غضب تو یہ ہے کہ ایک اہل فن دوسرے اہل فن سے جن کے فن کو وہ بالکل نہیں
جانتے مباحثہ کو تیار رہتے ہیں اور اُن کی دلائل کو کاٹتے ہیں یہاں تک کہ آپس میں لڑتے

لکھتے ہیں ایک کپتان اپنی مہمات کی وجوہ بیان کرتا ہے - وکیل صاحب اسپر جرح و
قدح کو موجود ہیں ادہر کپتان صاحب کی آستینیں چڑہتی ہیں اودہر وکیل صاحب بھی جیالی
سے سامنے کھڑے تو ہیں مگر دل کا خدا ہی حافظ ہے غرض ایسے مباحثوں میں طرفین
طیش و غضب میں بہر آتے ہیں اور اپنے تئیں ناحق رنج پہونچاتے ہیں آدمی کو چاہیے
کہ جہاں تک ممکن ہو بحث و تکرار سے جس میں فساد ہو پرہیز کرے - آدمیوں میں مباحثے
تین وجہ سے ہوتے ہیں ایک یہ اُن میں ہر ایک کو اپنی فتحیابی مدنظر ہو - دوم ہر ایک کو
اپنی نیک نامی - سوم ایک امر حق کی تحقیق - تینوں حالتوں میں مباحثے کے لئے ذکاوت سے
زیادہ خوش مزاجی اور نیک اخلاقی کی ضرورت ہے - آدمی کو جب مجبوری دلائل بیان کرنے
کی ضرورت ہو تو اُنکو نہایت نرمی اور سہولت سے بیان کرنا چاہیے - اسی طرح سامعین کے
دلوں پر اُن کا اثر ہوگا اور نقش جمے گا + سب سے اچھا طریقہ مباحثہ و مناظرہ کا سقراط کا ہے
کہ جب جانب مقابل کسی دلیل کا قائل نہ ہو تو ایک سلسلہ براہین کا اُسکے ثابت کرنے کے
واسطے ایسا قائم کیا جائے کہ جانب مخالف کو سوا ماننے کے کوئی اور چارہ ہی نہ ہو مباحثہ
محض اپنی فتحیابی کی نظر سے کہ دوسرے کو زک دیدیں مکروہ معلوم ہوتا ہے - اس میں بھی
خفگی اور طیش میں آجانے کی برابر کوئی حماقت نہیں یہ کیا عقل ہے کہ ہم کسی دوسرے
آدمی سے اس بات پر خفا ہو جائیں کہ اُس کی رائے یہ نہیں ہے جو ہماری رائے ہے
یہ وجہ ایسی ہے کہ جسکے واقف تم جیسے خفا اس سے ہوتے ہو وہ تم سے خفا ہو - آدمیوں
کی اغراض طریقہ تعلیم - وسائل علم سیکھنے کے ایسے جدا جدا ہیں کہ ممکن نہیں کہ سب ہم
خیال و ہمرائے ہوں تم ذرا ٹھنڈے ہو کر اور غصے کو تھوک کر سوچو کہ اگر ہماری اغراض
اور تعلیم جانب مخالف کی سی ہوتیں تو ہماری رائے کیا ہوتی - اگر مباحثہ سے فقط فتحیابی
منظور ہو اور تم اس میں غیض و غضب میں بہر آؤ تو اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لئے
ضرر اور دشمن کے لئے مفید نہیں ہے کہ جب مباحثہ ختم ہو جائے گا تو تم کو معلوم ہوگا

اس مخفی نے تمکو برانگیختہ کرکے کن کن دلائل قاطع کو تمھاری کاٹ دیا ہے۔ ہمیشہ گفتگو نرمی سے ہونی چاہیے
ایسی حالت میں شکست و فرار میں بھی عافیت ہے کسی آدمی پر اس سبب غصہ نہیں کرنا
چاہیے کہ وہ تمھاری دلائل قوی کو نہیں مانتا اور اپنی ضعیف دلائل کو مان کر ان کے
مقابل میں پیش کرتا ہے۔ اگر مباحثہ سے غرض اپنی نیک نامی ہو تو جو لوگ تمھاری
دلائل کو نہ سمجھیں تو ان پر بجائے غصہ کے رحم چاہیے اور خدا کا شکر بھیجنا چاہیے کہ اوس نے
تم کو فہم مستقیم اور طبع سلیم عنایت کی ہے۔ کوئی تمھارا ہمسر تمھارے غصہ کو خیال میں نہیں
لائے گا۔ وہ تمھارے لئے خود سزا بن جائے گا۔ یہ عقل سے بعید ہے کہ جب کسی احمق
اور شریر سے تم کو پالا پڑے تو تم غصہ ہو کر اپنے تئیں سزا دو۔ اگر مباحثہ سے صرف
غرض امر حق کی تحقیق مد نظر ہے تو وہ تمھارے غصہ کو خود روک دے گا۔ کیونکہ امر
حق کا دریافت کرنا ہے اوسے تم تحقیق کرو یا دوسرا دریافت کرے ایک ہی بات ہے
جب دو آدمیوں میں مباحثہ و تکرار دیکھو تو کسی کے جانب دار نہ ہو بلکہ طرفین میں
جو امور حق ہوں ان کے طرف دار رہو اور ان کی خوب چھان بین کرو۔ یہ کرو گے تو
کوئی تمھارا دشمن نہ ہوگا۔ ایک بات اور یاد رکھو کہ جب تم مباحثہ میں فتحیاب ہو تو بہت
اتراؤ اور پھولو نہیں اس سے لوگ تمھاری فتحیابی ہی کے قائل نہیں ہونگے بلکہ نیک مزاجی
اور فراخ حوصلگی کے بھی۔

(۲) بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کے کلام کو نہیں سمجھتا یا اوس کے
فعل کے اصل مقصود کو نہیں پہونچتا یا کسی بات کے سمجھنے میں اوس کی فہم غلطی کرتی ہے
تو وہ اپنی غلط فہمی کو نہیں سمجھتا اوس کے دل پر اس لغو خیال کی تاریکی چھائی ہوئی ہے
کہ مجھے ہر شخص کے مقابلہ میں تیار ہونا چاہیے اور ہر شخص سے بحث کرنا میری بڑی
لیاقت ہے اور دخل در معقول دینے سے لائق آدمیوں کی نظر میں میرا رسوخ ہوگا
مگر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ میری اس غلط فہمی سے تو عالموں کی نظر میں وقعت گھٹ جائے گی

نقصان فہم کے سبب سے رائے ساقط الاعتبار خیال کی جائے گی۔ اہل نظر کی نظر سے گر جائیگا وہ یہ کرتا ہے کہ جس شخص کے قول کی تردید منظور ہوتی ہے اوس کے معانی اپنی طرف سے ایسے ناحق گھڑ لیتا ہے کہ جن کا باطل کرنا آسان ہو۔ اس کی رد میں دو چار صفحے بڑی طمطراق سے لکھ دئے ڈھول بنا کے لائے جس میں فقط آواز ہی ہے اور اندر سے خالی ہے۔ اس کا یہ رد کرنا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی دشمن کا پتلا پھوس کا بنا کر کھڑا کرے اور اوس پر تیر لگا کر خوش ہو جائے کہ میں نے اوس کو شکست دیدی۔ اگر احمقوں نے اوسکی جھوٹی واہ واہ کر دی تو یہ شور سچی واہ واہ کی آواز موزوں سے زیادہ اس کے کانوں کو بھلا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے یا وہ کوتاہ نظر ہوتا ہے کہ اس کو حق اچھی طرح نہیں دکھائی دیتا۔

گھر میں جاسوس نوکروں کا ہونا

جس گھر میں ایسے نوکر ہوں کہ جو گھر کی جاسوسی اور مخبری کرتے ہوں تو اس گھر سے عافیت رخصت ہوتی ہے۔ یہ جاسوس آقاؤں کی عمدہ خدمات کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ اونکی خوش مزاجی اور آزاد منشی کو اس شوخی و بے باکی اور لفاظی سے بیان کرتے ہیں کہ گھر میں سب عزیز و اقارب میں بدگمانیاں آپسمیں پیدا ہو جاتی ہیں ـــ جلی کٹی باتیں آپسمیں ہونے لگتی ہیں سچے وفادار ملازم مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ جھوٹے بے وفا نوکر منہ چڑھ جاتے ہیں

عبادت

آدمی کو مذہب کا پابند ہونا چاہئے اور توہمات باطلہ سے بچنا ہے ایک نہایت عمدہ بات ہے کہ بچپنے ہی میں مذہبی عبادت کا نقش دل پر جا یا جائے۔ وہ کبھی تا دم مرگ مٹنے کا نہیں گو کبھی کبھی دنیا کے کاموں کی کثرت جوانی کی حرارت۔ برائیوں کی طرف رغبت اوس کو بگاڑینگے لیکن مٹا نہیں سکینگے۔ جب عمر بڑھے گی مصیبت آئیگی۔ ہوش درست ہونگے۔ پھر مذہب کے خیال کا نقش جیسا تھا ویسا ہی پھر ابھر آئیگا۔ اس کا حال آگ کا سا ہوتا ہے کہ

اوسے دہکا کر اوس پر انبار لگائیں تو وہ بالکل بجھنے کی نہیں۔
عدالت۔ پرہیزگاری۔ متانت۔ اور ساری نیکیاں بغیر عبادت کے بے مزہ اور پھیکی ہوتی
ہیں۔ وہ مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ فلسفہ وحکمت سے متعلق ہوجاتی ہیں کوئی
لذت جسمانی عبادت کی لذت کو نہیں پہونچتی۔ کوئی علم وحکمت انسان کے خیالات کو وسیع اور
عالی ایسا نہیں بناتا جیسے کہ عبادت دل میں تحریک اور حرارت وہ پیدا کرتی ہے
کہ کوئی دنیا کی عشرت وہ نہیں پیدا کرسکتی۔ بعض علما کی رائے ہو کہ عقل مابہ الاعتیاز انسان
اور حیوان کے درمیان ایسی نہیں ہے جیسی کہ عبادت اسلیے کہ وحشی سے وحشی حیوان میں
کچھہ نہ کچھہ عقل کے آثار پائے جاتے ہیں مگر عبادت الہی کا شائبہ جانوروں میں ذرا بھی نہیں
ہوتا۔ عبادت کی طرف میلان طبع انسان کی فطرت میں اصل ہے۔ کہ جب کوئی مصیبت
اور آفت پڑتی ہے تو وہ خدا سے اپنی مدد کی دعا مانگتا ہے۔ جب کوئی نعمت غیر مترقبہ
مل جاتی ہے تو اوس کا شکر بھیجتا ہے۔ اوسکی ذات کی کمالات کی حمد کرتا ہے۔
آسمان کے نیچے جتنی قومیں رہتی ہیں ان سب کا عبادت پر اتفاق ہے اُن کے تین
سبب بتلائے جاتے ہیں۔
اول یہ کہ خالق اکبر نے اپنے کلام سے انسان کے دل میں عبادت کا خیال پیدا کیا ہو
دوم۔ اوسنے انسان کی خلقت وجبلت میں یہ خیال پیدا کیا ہو۔
سوم عقل ودانش نے یہ خیال دلایا ہو۔ خواہ تینوں سبب یا ان میں سے ایک سبب پایا جاتا
ہو تو اوس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس تمام عالم کا خالق واجب الوجود ہے مگر اس عبادت
کے پیچھے دو آفتیں لگی ہوئی ہیں اول یہ کہ جب علمادت حد اعتدال سے تجاوز کرتی ہے اور
عقل کی حد سے پرے نکل جاتی ہے تو وہ انسان کے دماغ میں مالی خولیا پیدا کرتی ہے اور
امراض روحانی نخوت وغیرہ جب اس عبادت کا جوش بڑھتا ہے تو آدمی دیوانہ ہوجاتا ہے
اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اشتغال عبادت میری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے

یہاں تک وہ اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میرے اور خدا کے درمیان مکا
مکاشفہ مشاہدہ ہونے لگا ہے مجھے ضرور نہیں کہ اب میں دنیا کے مذہب وجہ میں سے کسی کا
اس طرح سے پابند ہوں پس وہ مذہب کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ دیوانہ پن کی باتیں
کرتا ہے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ عبادت کی کثرت سے توہمات باطلہ میں مبتلا ہوتا ہے صدہا
اوہام وسوسے ناحق کے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں سیکڑوں باتوں کو جو مذہب سے کچھ
تعلق نہیں رکھتیں وہ اپنے اوپر فرض جاننے لگتا ہے۔ غرض مذہبی عبادت میں پرجوش و
شوق ہونا سرکش گنوار بنتا ہے اور توہمات باطلہ میں گرفتار ہونا یا ایک بے مزہ دیوانہ بازی
ہوتا ہے۔ عبادت میں اعتدال چاہیے اوس کی افراط میں ایک صورت میں دیوانگی اور دوسری
صورت میں حماقت ہے+

عورتوں کی مذمت

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اچھی بیوی اور سب سے زیادہ مصیبت بری بیوی ہے ہر زمانہ میں
مصنف عورتوں کا حال لکھتے آئے ہیں کسی نے مدح سرائی کی ہے کسی نے ہجو سرائی میں دفتر
کھولا ہے کسی سارے گروہ کو برا کہنا بعید ہے کسی گروہ میں سب آدمی یکساں نہیں ہوتے۔
دنیا کی ساری عورتوں کی مذمت کرنی اہل تہذیب پسند نہیں کرتے لیکن عوام الناس اس سے
خوش ہوتے ہیں ایک قدیمی شاعر نے عورتوں کی ہجو بڑے لطف کے ساتھ لکھی ہے
ہم اوس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے ابتداء آفرینش عالم میں بہت سے مختلف طرح کے مادے ایک جگہ جمع کئے
اور ان سب کو ملا کر عورتوں کی ارواح کا خمیر بنایا۔ اور ان کے لئے جدا جدا عورتوں کا
جسم مسکن بنایا۔ اس طرح جتنی قسم کی عورتیں پیدا ہوئیں ونکی تفصیل یہ ہے۔
اول۔ ایک قسم کی عورتیں ان مادوں سے بنائیں جن سے کہ سورنی بنائی تھی۔ اس طرح کی
عورتیں سراسر غلیظ و ناپاک رہتی ہیں اون کا جسم ناپاک۔ خوراک پوشاک غلیظ۔ بچے غچلے

گمر دستم کاغذ لے نہیں کے لئے کسی جفا ڑسے وہ دل شکنی نہیں ہوسکتی جو کاغذ سے ہوسکتی ہے اوس کے تختوں نے بہت سی سلطنتوں کے تخت اوندھے کئے ہیں سیکڑوں عمدہ انتظاموں کو اوس نے پریشان کیا ہے ابتک نہ انسان کی ذہانت نے نہ شیطان کی شیطنت نے کاغذ کے برابر کوئی غارت گر آدمی کے لئے پیدا کیا ہے فقط

خیالات کی قوت

خیالات میں بھی کیا قوت ہے کہ کوئی قوت اوس کے سامنے حقیقت نہیں رکھتی۔ تمام کلوں کی قوت کے ناپنے کا پیمانہ گھوڑے کی قوت ہے۔ مگر وہ خیالات کی قوت کے آگے ہیچ ہے۔ جو گھوڑے کی قوت دھوئیں کے زور سے آٹھ سات روز میں جہاز کو سمندر پار لے جاسکتی ہے وہ خیال کی قوت چند سکنڈ میں اوسکے پار لے جاسکتی ہے۔ یہ خیالات ہی کی قوت ہے کہ جس نے نئی دنیا کو دریافت کرلیا عیسائیوں کی سلطنت کو دنیا میں پھیلا دیا گھوڑے کی قوت کو بھی خیال کی قوت نے پیدا کیا ہے۔

ذہین

جب تک ذہین آدمی زندہ رہتا ہے دنیا اس سے نفرت کرتی ہے اسلئے کہ وہ گروہا گروہ آدمیوں کے خیالات میں اضطراب اضطرار پیدا کرتا ہے وہ ان کی ہستی کے ساکن پانی میں پتھر پھینک کر اس میں تلاطم اٹھاتا ہے جو اون کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب وہ مرجاتا ہے تو سب کہتے ہیں اللہ اکبر وہ تو ہمارا نبی تھا۔

مصلحان قوم

ای نوجوان پر شوق حکیم تو مصلح دنیا بنا چاہتا ہے تو اس بات سے آگاہ ہو کہ اگر تو نے اپنی ساری زندگی میں کوئی ایک خطا اور قصور چھوٹا سا بھی کیا ہوگا یہانتک کہ اگر تو نے [illegible] لڑکپن [illegible] اندر یا کسی دور کے رشتہ دار نے کوئی گناہ کیا ہوگا تو وہ سب تیرے [illegible] نے کے لئے جمع کریں گے اور تجھے ستائیں گے اور کہیں گے کہ واہ یہ مصلح قوم بنے ہیں

غلطیوں وخطاؤں کی ابتری بتاتے ہیں اور ہی پر تبرا نہیں بھیجتے یہ احمق شریروں کا کام ہے
کہ ہجو سے لوگوں کے دلوں کو آزردہ کرتے ہیں۔ ہجو لکھنے کی خوبی یہ ہے کہ گناہوں اور
جرموں کو اس طرح بیان کرے کہ نیک مزاج اون کو سنکر طیش میں بھرآئیں۔ اور برائی
سے دل میں نفرت ہو جائے +

اشرافت امرا

جن لوگوں کو ذاتی لیاقت نہیں ہے اگر باپ دادا کی شرافت کے سبب سے خطاب
مل جائیں وہ ایسے ہیں جیسے کہ کھوٹی دہاتوں پر بادشاہی سکے لگ جائیں خاندانی
خطاب ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ صفات جو بزرگی اور شرافت
کی جان ہیں نسل میں منتقل نہیں ہو سکتیں آدمی جیسے زمین کو اپنی اولاد کو وراثت میں دے سکتا ہے
اگر ایسے ہی وہ اپنی نیکیوں و علموں کو بھی اون کو دے سکتا تو اولاد کے برابر کوئی قابل قدر
چیز نہ ہوتی غرض اگر شرافت کے ساتھ وہ نیک افعال و فیاضانہ اعمال امرا میں نہ ہوں
جنکے سبب سے وہ شرافت کے ساتھ ممتاز ہوئے تھے تو وہ اشرافت ایک خیالی چیز ہے

عالم

عالم کا حال اناج کے درختوں کا سا ہوتا ہے کہ جب زمین سے نکلتے ہیں اور ان میں اناج نہیں
ہوتا تو سر اونچا کرتے ہیں لیکن جب اون میں اناج کی بالیں نکل آتی ہیں تو سر کو نیچا کرکے
خمیدہ ہو جاتے ہیں۔

عشق و ہوس

یونانیوں کی زبان میتھیالوجی ایک علم ہے کہ اوسمیں سب قوا و جذبات انسانی کو ایک
ایک مجسم دیبی یا دیوتا تعبیر کیا ہے اور ان کے واسطے وہ نشانیاں مقرر کی ہیں جو
اون کی شان کے شایاں ہیں مثلاً عشق ہے اوس کو خوبصورت اندھے بچے کی شکل کا
بنایا ہے اور اوس کو تیر و کمان سے سجایا ہے وہ چاروں طرف یوہیں اناپ سناپ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نکتہ چینی

جیسے خردبین ذرات ۔ دانوں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو خوب صحت سے دیکھ لیتی ہے مگر کل چیز کے تمام اجزا کی ترکیب تناسب اور مناسبت کو وہ نہیں دیکھ سکتی ۔ پس ایسے ہی نکتہ چین جزئیات کی غلطیوں اور عیبوں کو خوب دیکھ کر بتاتے ہیں مگر کلیات کی خوبیوں کو نیکیوں کو نہیں دیکھ سکتے ہیں +

انسان میں نیکی کے مختلف درجے ہوتے ہیں

ایک حکیم انسان کے تین درجے باعتبار عقل کے یہ مقرر کرتا ہے ۔ اول وہ جو اپنے قوائے عقلیہ سے صحیح و درست و مناسب امور کو دیکھ سکتے ہیں اور کلام کی تہ پر پہونچ سکتے ہیں دوم وہ جو دوسرے کے سمجھانے سے عیب و صواب کو جان سکتے ہیں ۔ سوم وہ جو نہ خود سمجھیں نہ دوسرے کے سمجھانے سے سمجھیں نہ آپ خود چل سکیں نہ دوسرے کے چلانے سے چلیں ۔ اس قسم کا آدمی بڑا ہی کم بخت اور نکما ہوتا ہے ۔

پس اسی طرح نیکی کے اعتبار سے آدمیوں کی تفریق پر تین ہو سکتی ہیں ۔ اول وہ جن کا اعتقاد اور یقین خدا پر ایسا ہے کہ وہ کوئی کام خدا کے حکم کے خلاف کرنا نہیں چاہتے ۔ انکی ساری خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ احکام الٰہی کو بجا لائیں ۔ اس کی طاعت و اطاعت و عبادت کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں ۔ دوم وہ جو برائی اور بھلائی ہر دو کو کام میں لاتے ہیں اور اس دنیا میں دولت عیش عشرت سے وہ اپنی ہوا نفسانی کو پورا کرتے ہیں ۔ اور امور عقبی کی سزا و جزا کا بھی خیال رکھتے ہیں غرض دنیا کے سیانے اور دین کے دیوانے ہوتے ہیں ۔ سوم وہ جو بالکل شہوات نفسانی میں ڈوبے ہوئے کوئی بھلائی کرنی نہیں چاہتے اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں اپنے چین اور آرام سے بڑے خیالات کو نہیں جانتے دوسری قسم کے آدمیوں کی ایسی کثرت ہے کہ اگر یہ کہیں کہ ساری دنیا انہیں سے بھری ہوئی ہے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا ۔ تیسری قسم کے آدمی کم ہوتے ہیں اور اول قسم کے کمتر ۔

آدمی کی دو حالتیں ہیں کیا تو وہ اسکا یقین تا ہو کہ نیکی کرنے سے خوشی ہوتی ہے یا یہ کہ
خوش ہونے کے لئے نیکی کرنا لازمی نہیں - اس لئے وہ خود اپنی مطلب برآری و خودکامی پر
نظر رکھتا ہے اور باقی سب باتوں کو چھوڑ دیتا ہے - یہ بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا یقین
ایک جانب ہو اور اوس کا عمل دوسری جانب ہو اور جس شخص نے راہ مستقیم کو دیکھ لیا ہو
وہ اُس کو خود آنکھیں بند کرکے چھوڑ دے اور اُس میں یہ سمجھے کہ میں آرام پاؤں گا - مگر ہر
ساعت یہ بیہودہ باتیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ بڑے بڑے عاقل عمدہ آدمی اپنے فرائض
مسلمہ سے انحراف کرتے ہیں اور جب ہی تک اچھے بنے رہتے ہیں کہ بُرے کاموں کی تحریکیں
ان کے سامنے نہیں پیش ہوتیں اور ان کی ہوا ونفسانی کا جوش نہیں ہوتا - اور اُن کی رائے
کسی سبب سے پلٹ نہیں جاتی - تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم بعض نیکیاں اختیار کرتے ہیں
اور بعض کو چھوڑ دیتے ہیں اور بُرے بھلے ایک خاص درجہ تک ہوتے ہیں بعض آدمی ظاہر میں
غافل اور بدافعال معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اندر ایک مخفی نیکی ہوتی ہے جو تربیت اور تعلیم
سے بہت پھیل سکتی ہے - ایک چنگاری اُن کے دل میں خدا نے دبا دی ہے کہ گو وہ چھپی ہوئی ہے
مگر بجھی ہوئی نہیں وہ پند و نصائح اور صلاح و مشورہ کی پھونکنے سے روشن ہو سکتی ہے - یہی حال
نیک آدمیوں کا ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی سب طرح سے اچھے معلوم ہوتے ہوں مگر پھر بھی ان میں
کوئی مخفی بُرائی ہوتی ہے غرض انسان کو بدی میں نہ نیکی میں کمال حاصل ہو سکتا ہے بعض
خالص نیکیاں مشابہ بدیوں کے اور بعض بدیاں مشابہ نیکیوں کے ہوا کرتی ہیں اسلئے
آدمی جو ظاہری حال پر ہمیشہ فیصلہ کیا کرتا ہے اُسکو چاہیے کہ وہ جلدی سے ایسا نتیجہ
نہ نکالا کرے کہ جس سے نیکی برباد گنہ لازم ہو جائے ۔

ہر شخص خواہ کسی رتبہ کا ہو وہ یہ چاہا کرتا ہے کہ اوس کے لوگ مقلد ہوں یا وہ اپنے
مقلد بنانے میں کوشش کیا کرتا ہے - ایسے آدمی کو لازم ہے کہ آپ خود ایک اچھا نمونہ
بنے - اور خود گناہوں اور جرموں کے کرنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ اونکی ظاہری صورت سے

بھی بھلے اور ایسے کام نہ کرے جسے دیکھ کر لوگ گمراہ ہوں اور نیکی ہی فقط نہ کرے بلکہ اوس کے ساتھ نیکی کی تعریف اور حمایت کرے +

کسی شخص کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ میری زندگی تھوڑی ہے

جن آدمیوں کو غور و خوض کی عادت نہیں ہوتی وہ حکیمانہ رائیں اور مقولے سن کر اونکو بار بار زبان پر لایا کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان میں کوئی بڑا فائدہ کام کرنے کا رکھا گیا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کچھ اون کو خود تو علم ہوتا نہیں - وہ ان حکیمانہ باتوں کے دہرانے میں اپنی عزت جانتے ہیں ان کی روح ایک نے اور ساز ہے کہ جن میں آوازیں نکلتی ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں وہ الفاظ کہتے ہیں مگر اون کے معانی پر خیال نہیں کرتے منجملہ ان مقولوں کے یہ ایک مقولہ ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے اس بات کو سننے والے بڑی توجہ سے سنتے ہیں لیکن اس کا اثر دل پر کچھ نہیں ہوتا - اور جب تک آدمی مرتا نہیں اوسکو یقین نہیں ہوتا کہ زندگی بہت تھوڑی ہے جتنا آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اپنے طول امل کو بڑھاتا جاتا ہے پس اگر زندگی کے تھوڑے ہونے کا یقین ہو تو چاہئے کہ جتنی زندگی گھٹتی جاوے اوتنی ہی وہ بڑے بڑے منصوبوں کے باندھنے میں کمی کرتا جاوے - مگر وہ اوسکے خلاف کام کرتا ہے - وہ ایسے منصوبے بڑے بڑے باندھتا ہے کہ جنکے ختم ہونے کے واسطے ایک مدت دراز کی ضرورت ہوتی ہے امید میں جو خوشی ہوتی ہے وہ اوسکے حاصل ہونے میں نہیں ہوتی - اسلئے بوڑھے آدمیوں کو اپنے طول امل میں بڑی مسرت ہوتی ہے - وہ باغ لگاتے ہیں جسکے درختوں کے سایہ میں بیٹھنے سے خوش ہوتے ہیں اور پھل کھانے کی امید سے اور زیادہ مسرور ہوتے ہیں +

بعض حکما کا مذہب ہے کہ جو وقت موجود ہے اوس کے لئے خوشی کا سامان مہیا رکھنا چاہئے آیندہ زمانہ کی خبر کسکو ہے - گل کی خوشبو کا گھنٹہ بہت جلد گذر جاتا ہے اور اوسکی جگہہ کانٹا رہ جاتا ہے - پس آدمی جب تک وہ اپنے عیش و آرام کے واسطے زمانہ حال ہی کو جانتا ہے وہ نیک کام کرنیکے لئے فقط زمانہ حال ہی کو سمجھے - اگر ایک شخص ایک ہزار روپیہ خیر جاری کرے

جمع کرے تو فوراً دیدے وقت کا انتظار نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ اس انتظار میں موت آجائے اور یہ نیک کام رہ جائے۔ نیک آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے فنا ہونے کا خیال ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ یہ جانے جو نیک کام مجھے کرنا چاہیئے وہ آج ہی کر لوں معلوم نہیں کل جیوں یا نہ جیوں

جو لوگ غافل پڑے سوتے ہیں وہ بری طرح محنت کرتے ہیں وہ اس بات کو بالکل بھول ہوئے ہیں کہ زندگی تھوڑی ہے۔ نکمے پڑے ہوئے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ابھی بہت وقت کاہلی کی مکافات کے لئے پڑا ہوا ہے۔ بعض آدمی زندگی کو تھوڑا سمجھ کر تھوڑی مدت میں سب کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں موت ان دونو کا انجام ایک سا کر دیتی ہے ان میں ایسا فرق ہوتا ہے کہ ایک جانور اڑ رہا ہو اس کے گولی لگ جائے اور دوسرا جھاڑی میں بیٹھا ہوا مارا جائے +

اس زمانہ میں جہاں علم و ہنر کی ترقی ہوئی ہے وہاں عمر کی قیمت کا پورا پورا صحیح حساب کیا گیا ہے جنکے موافق جان کے بیمے ہوتے ہیں اور لاکھوں روپے کمائے جاتے ہیں غرض یہ حساب تجارت کے لئے ہے کچھ اخلاق کے واسطے نہیں وہ دولت حاصل کرنے کے واسطے درست ہے مگر دانائی کے لئے نہیں انسان کے دل میں اس مغالطہ نے جگہہ پکڑ لی ہے۔ زبان سے تو یہ کہتا ہے کہ زندگی تھوڑی ہے اس کا بھروسہ کیا ہے دم آیا یا نہ آیا۔ مگر کام اس طرح کرتا ہے جیسے اوسکو یقین ہے کہ وہ کبھی مرنے کا نہیں اس مغالطہ کو نہ علم نہ تجربہ دور کر سکتا ہے خوف ورجا اسکی تائید کرتے ہیں

فاضلوں کی حقارت جب ہی اکثر ہوتی ہے کہ وہ اس کے مستحق ہوتے ہیں

جو آدمی اپنی لیاقت علمی اور استعداد عقلی کی نسبت ایسی اپنی رائے رکھتے ہیں کہ اس سے دولت یا عزت سرفرازی پیدا ہو وہ ہر زمانہ میں اپنے مصائب بیان کرتے آئے ہیں جو انکو زمانہ کی جہالت و وحشت و جھوٹے مذاق سے اٹھانی پڑتی ہیں اور اہل زمانہ کی نااحسانمندی کی شکایت وسعایت کرتے چلے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی جبلت میں داخل ہے کہ وہ

اپنے ہادی اور منعم کے ساتھ کافر نعمتی کرتا ہے وہ غصے وطیش میں بھر کر جہانتک اُن سے ہو سکا
انھوں نے اپنی قوم کو اپنے ملک کو گالیاں دیں اکثر اُن کا غرور اس بدگوئی کا سبب
ہوتا ہے خواہ زمانہ نے کیسی ہی اُن کی خاطرداری اور آؤبھگت کی ہو مگر انھوں نے اُس کو
اپنے درجہ سے کم ہی جانا۔ اور اور لوگوں کو بھی کہا کہ وہ ہماری علمی لیاقتوں پر حسد کرتے ہیں
مگر انصاف کا یہ سچا اور صحیح قاعدہ چلا آتا ہے کہ آدمی کی بات کا اُس کے اپنے معاملات میں یقین
نہیں کیا جاتا۔ پس اُن فاضلوں اور عالموں سے جو اپنی ذات کی کم قدری کے سبب سے
زمانہ کی سعایت وشکایت کی وہ قابل تسلیم نہیں +

زمانہ کی ناقدری کی وجہ یہ ہی ہوتی ہے کہ بہت ہی تھوڑے آدمی ایسے ہوئے ہیں کہ
جن احکام کی تعمیل وہ اوروں پر فرض بتائیں اُن میں وہ خود پورے اُتریں اس لئے ہم کو
تعجب کرنا نہیں چاہئے کہ آدمی اپنا غصہ اِن عالموں پر زیادہ تر ظاہر کریں جو جان بوجھ کر
احکام کی تعمیل میں قصور کریں۔ چونکہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں عمل کرنے کی قوت
خیال کرنے کی قوت کی برابر ہو اسلئے جو فقط سوچنے والے آدمی ہوتے ہیں اور کتابی علم
رکھتے ہیں اُن کی مذمت بہ نسبت اور آدمیوں کے زیادہ کی جاتی کیونکہ لوگوں کو اُنسے نیک
کاموں کی زیادہ توقع ہوتی ہے +

اگر اِن عالموں کی تصنیفات ایسی ہیں کہ جن سے ہوا ونفسانی کم ہوتی ہیں۔ شہوات
نفسانی مغلوب ہوتی ہیں تو وہ بیشک بہت آدمیوں کے لئے مفید ہوتی ہیں گو مصنف کا
ذاتی چال چلن اُن کے قاعدوں کے موافق نہ ہو۔ اُس کی تصنیفات کا اثر اُن زمانوں میں
شائع ہوگا جہاں کے لوگ یہ نہیں پوچھیں گے کہ مصنف نیک تھا یا بد۔ اُن زمانہ میں وہ اپنا
اثر کریگی جسمیں مصنف کی تمام بیوقوفیاں اور خطائیں دنیا بھول گئی ہوگی۔ اور ہزاروں
دلوں میں وہ شعلہ روشن کریں گے جو مصنف کے خود سینہ میں بہ سبب عفونت
جذبات اور رطوبت جبن کے دُھندلا چمکتا تھا۔ برخلاف اس کے جو برے بداخلاقی کے

مصنف ہیں اُن کا حال اس شمع کا سا ہے کہ بیدار ہوا و لفسانی کے بھول بھلیوں میں روشن کیجائے
وہ اپنی روشنی بہ نسبت حرارت کے زیادہ پھیلاتی ہے اور انھیں کو راہ دکھلاتی ہے جو اسکے
سامنے ہوں۔ اور اُن کو جلاتی ہے جو اوس کے نہایت قریب ہوں۔ پس ایسے مصنف
جنکے خیالات سے آدمیوں کی اصلاح ایسی نہ ہو جیسی اُن کے اعمال سے برائی ہو تو
وہ کب تعظیم و تکریم کے مستحق ہوسکتے ہیں کسی کی تعریف جو تعجب کے ساتھ ہوتی ہے وہاں
ہوتی ہے جہاں واقفیت نہیں ہوتی۔ اسکے دوست دور ہوتے ہیں مگر دشمن پاس ہوتے ہیں
زمانہ کے ظلم اور حماقت کی شکایت تو جب بجا ہوتی کہ وہ اپنی تصنیف سے دانائی اور
نیکی پھیلانے میں کوشش کرتے۔ وہ خود اوباش تھے۔ انکی تصنیفات رندانہ تھی۔ اُس نے
خلائق کے دلوں کے لئے گمراہی اور تباہی کی راہ کو ہموار کیا اُس میں خطاؤں کے خار و
کو پھول بناکر لگایا۔ بُری ترغیبوں کے راگ دل لبھانے والے بنائے حیا کو گھٹایا اور
بے شرمی کو بڑھایا۔

ایسے مصنف تو بدمست شرابیوں اور اوباشوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں اسلئے کہ ان
بدکاریوں کا اثر اتنی وسعت میں نہیں پھیلتا جتنا کہ ان مصنفوں کی تصنیف کا۔ وہ تو زہر کا
پیالا پی کر اپنے ہی اوپر اثر کرتے ہیں مگر یہ تصنیفات وبا کی طرح ہزاروں کو قتل کرتی ہیں
پس جو بُرے مصنف ہیں وہ اور بُرے آدمیوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ ہر طرح
تحقیر کے قابل ہیں +

کاہلی

بہت سے رسالے اطبا اور حکمانے لکھے ہیں جن میں انھوں نے ہر پیشہ و ہر حرفہ و کام سے
جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بیان کی ہیں۔ مثلاً کیمپ۔ سمندر۔ کان میں رہنے سے جو
امراض پیدا ہوتے ہیں اُن کو لکھا ہے۔ وہ سب بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ پیشہ و کام خواہ کیسا
ہی خطرناک ہو اور صحت کے لئے مضر ہو مگر اُس میں بھی کاہلی سے زیادہ خوشی و تندرستی ہے

انسان - جسم کی بناوٹ کو دیکھو تو اوس کے لئے کام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے - قطع نظر
اس سے تمام دنیا کا تجربہ دیکھو کہ جو لوگ امیر دولتمند فارغ البال ہیں اور اونکو روپیہ
کمانے کے واسطے محنت کی ضرورت نہیں ہے اونھوں نے بھی سیر شکار اور اور شغل ایسے
نکال لئے ہیں کہ جنمیں ویسی ہی محنت پڑتی ہے جیسی کہ مزدوروں کو گو اس میں محنت کی
ایسی مجبوری نہ ہو جیسی کہ کاشتکار اور بیلدار کو - شکار کے لئے وہ صبح اٹھتے ہیں اس کی
تلاش میں وہ پڑے پھرتے ہیں سب طرح کی وہ جوکھوں اٹھاتے ہیں دریاؤں کے
پار جاتے ہیں پہاڑیوں پر چڑھتے ہیں جنگلوں میں پھرتے ہیں کبھی زخمی ہو جاتے
ہیں کبھی جھاڑیوں کانٹوں سے کپڑے پھٹ جاتے ہیں - اور کوئی ان کی گرمجوشی
کا تحریک کرنے والا اور کوئی سپہ سالار ان پر حکم چلانے والا نہیں ہوتا کہ جسکی عدول
حکمی اور کسی سزا کا خوف اون کو ہو نہ ان کو کسی عزت اور صلہ کی امید ہوتی ہے باوجود
ان سب باتوں کے وہ اپنے ہمراہیوں اور اپنی رعیت کی اس تعریف سے کہ خوب
شکار کھیلا خوش ہوتے ہیں +

غرض انسان کی جسمانی ترکیب کا مقتضا محنت کرنا ہے محنت خود اپنا آپ انعام ہے
اس کے لئے کسی اور ترغیب کی ضرورت نہیں اسی سے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے
اور اسی سے مصیبت اور آفت سے بچاؤ ہوتا ہے -

آدمی اپنی بےحس و حرکت زندگی سے آرام چاہتا ہے مگر آرام تو خوشی اور رنج کی
درمیانی حالت کا نام ہے - جو شخص اپنے رگ پٹھوں کو سخت بناتا ہے اور اپنی اعضا کو حرکت
دیتا رہتا ہے اور سردی اور گرمی کے سامنے جسم کو لا کہ اون کی برداشت کی عادت ڈالتا
ہے - اسی کے واسطے اہتزاز روحانی و قوت جسمانی - مہمات عظیم کے واسطے مستعدی ہے
جس آرام سے خوشی نہیں حاصل ہوتی وہ آخر کو دکھ ہو جاتا ہے - جب آدمی اپنے اعضا
کو حرکت نہ دے گا تو وہ سست ہو جائینگے - اور دکھ درد پیدا کرینگے - زندگی کے واسطے

غذا اور محنت میں ہمیشہ ایک نسبت ہوتی ہے۔ غذا بدل ما یتحلل ہونی چاہیے۔ وہ کاہلی سے ہوتی نہیں۔ اگر کاہل آدمیوں کی عمر بھی دراز ہوتی ہے تو بڑی مصیبت سے کٹتی ہے۔ گو ورزش جسمانی ہم کو موت سے تو نہیں بچا سکتی۔ مگر جب تک جسم و روح میں صحبت ہے وہ اوس کو خوش رکھتی ہے اور یہ غالبًا اون میں جدائی بھی آسانی سے کرا دے گی۔ متقدمین کا یہ مقولہ تھا کہ امراض شدید تو آسمان کی طرف سے آتے ہیں اور امراض مزمنہ ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ موت کا تیر تو آسمان کی طرف سے لگتا ہے لیکن زہر میں ہم اوسکو اپنی بد چلنی سے بجھاتے ہیں۔ مرنا تو انسان کی قسمت میں ہے مگر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا اُسکی بیوقوفی ہے۔

اس دنیا میں ہماری تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ جسم و روح دونو کام کرتے رہیں دونو کے قوا میں سے کوئی ایک بھی کاہل نہیں رہنا چاہئے اور ان سے کام لینا چاہیے۔ نہ جہالت کی اطاعت سے صحت مول لینی چاہیے نہ صحت کو خرچ کرکے علم کو خریدنا چاہیے۔ طلبہ کو اُسپر فخر و ناز ہوتا ہے کہ ہم کو علمی خوشی کافی ہے۔ یہ اُن کی غلطی ہے کہ وہ اور کھیل تماشوں کو کہ جنسے جسم کو تر و تازگی اور روح کو مسرت حاصل ہوتی ہے ناپسند کرتے ہیں یہ ان کی بے ہنری ہے کہ وہ گیند کو ہاتھ نہ لگائیں اور گرنے کے خوف سے دوڑتے نہیں۔ جو ایسے خوف رکھتے ہیں وہ ضرور ذلیل ہوتے ہیں

جو عالم فاضل اپنے تئیں مطالعہ کی محنت سے تھکاتے ہیں اور ورزش جسمانی سے گریز کرتے ہیں وہ خود اپنے تئیں کاہل اور مریض بناتے ہیں۔ اسی لئے تعلیم میں ریاضت جسمانی داخل کی جاتی ہے کہ جب آدمی روحانی محنت سے تھک جائے تو جسمانی محنت میں مصروف ہو کر روح کو آرام پہنچائے۔ مہذب ملکوں میں اسلئے عورتوں کے واسطے تعلیم کے اندر یہ بات مقرر کی گئی ہے کہ خواہ کسی درجہ اور رتبے کی عورتیں ہوں وہ ضرور کوئی لیاقت کا کام سیکھیں جس میں اون کی ورزش

جسمانی ہو حکیموں کا ایک پرانا مقولہ ہے کہ خلا محال ہے۔ پس اس کے موافق دل خالی نہیں رہتا بلکہ وہ کاہلی کی حالت میں بڑی شرارت کے منصوبے باندھتا ہے۔ ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ جب خالی ہوتا ہے تو کیا کیا خیالات پریشان اور وحشیانہ آرزوئیں اور تصورات باطل پیدا ہوتے ہیں۔ اسلئے آدمی کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ دونو جسم و جان کو کام میں مصروف رکھے اور کبھی کاہل نہ ہونے دے +

کمال بغیر محنت کے نہیں حاصل ہوتا

ہم مخلوقات میں دیکھتے ہیں کہ جو خلقت زیادہ پائدار و استوار اور دیرپا ہوتی ہے وہ بہت سہج سہج بڑھ کر مدتوں میں بالغ و پختہ ہوتی ہے۔ جو اچھی مضبوط لکڑیاں ہوتی ہیں اون کے درخت بہت دیر کر بڑھتے ہیں اور جانور جو بڑی عمر کے ہوتے ہیں وہ اپنی ماں کے پیٹ میں بہت دنوں رہتے ہیں۔ پس یہی حال انسان کے دل اور دماغ کی اولاد کا ہے جو انشا پرداز اپنے مضامین کے لکھنے میں جلدی کرتے ہیں وہ اپنی رنگینی کے سبب پھولوں کی بہار دکھاتے ہیں اور التفات کی نظر ویسے دھوپ کی طرح روشنی چمکاتے ہیں مگر موسم کے بدلنے کے بعد تھوڑے دنوں میں نہ یہ بہار قائم رہتی ہے نہ چمک۔ اول ہی نکتہ چینی کے جھونکے میں پژمردہ ہوجاتی ہیں اور ایسے التفاقی کا بالا اُن کو مار جاتا ہے پھر نہ کوئی اُن کو پڑھتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ جب ایک مصنف سے لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ تم برسوں تک اپنی تصنیفات پر سیکڑوں دفعہ نظر ثانی کرتے اور پھر اوس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالتے ہو تو اوس نے یہ مختصر جواب دیا کہ میں ایک ایسی تصویر بناتا ہوں جو ہمیشہ قائم رہے۔

غرض جو انشا پرداز محنت نہیں کرتے اور نامور ہونے کے لئے عجلت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ہم جنسوں میں جواب نہیں رکھتے تو وہ کیسے خیال کرسکتے ہیں کہ اُن کے کلام پر جو بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکل گیا ہے لوگ توجہ اور التفات کرینگے +

اور آیندہ زمانہ میں وہ یادگار روزگار رہیگا - یہ سچ ہے کہ بعض آدمیوں کو خداداد استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ادنی توجہ سے جو تصنیفات کرتے ہیں وہ اس رتبے اور شان کی ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا اور اوسکو برسوں کی محنت اور جانفشانی اور غور و مطالعہ کے بعد بھی نہیں کرسکتا - ان کا حال تو اس قطعہ زمین کا سا ہوتا ہے کہ جس میں خودرو پیداوار کی وہ طاقت ہو کہ کسی دوسری زمین میں محنت و تردد و آب پاشی کے بعد بھی نہ ہو - مگر ایسے آدمی شاذ و نادر ہوتے ہیں بہت سے جھوٹے مدعی اُن کی قائم مقامی کا دعوی کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم بے محنت و مشقت کے نامور ہوجاینگے - اُن کا حال ایسے کسان کا سا ہے کہ جو اپنے زمین کو یہ سمجھے کہ وہ بغیر بوئے جوتے ایسے پھل پھول پیدا کریگی جو دنیا میں بے نظیر ہونگے +

زمانہ میں علم کے اندر بزرگی اس وجہ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے کہ اس میں علم کم ہو پس تھوڑے علم کا عالم بھی وہاں بے نظیر ہوتا ہے کوئی اوس کی برابر نہیں ہوتا - جہاں روکھہ ہیں وہاں ارنڈ ہی کھش ہے - پس وہ اپنے تئیں بے نظیر سمجھ کر صاحب کمال جانتے ہیں اور اوسپر خوب اپھرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ صاحب کمال ہونا اور بات ہے اور جاہلوں اور نالایقوں میں علم کی وجہ سے ممتاز ہونا اور بات ہے - ان کے ذہن میں کمال کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا - جو صاحب کمال کمال کے معنی جانتا ہے - وہ اپنے تئیں ناقص سمجھتا ہے - جب وہ اپنی تصنیفات کو کمال کی معیار پر کستا ہے تو اوس میں نقص پاتا ہے ایک شاعر بے مثال نے کہا کہ میرے شعر سب کو کامل معلوم ہوتے ہیں مگر مجھے ناقص - ایک اور شاعر جسکی برابر دُنیا میں تھوڑے ہی شاعر گذرے ہیں مرتے وقت کہتا تھا کہ یہ حسرت میں اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں کہ میں نے ہزار اپنی جان ماری مگر کبھی ایک شعر کامل نہ کہا گیا - ایک مصور بھی جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا مرتے وقت یہ افسوس کرتا تھا کہ ساری عمر میں ایک اثر بھی کامل نہ کھینچ سکا -

غرض پہلے زمانہ میں جیسے علم ادب میں صاحب۔ کمال گذرے ہیں ویسے پچھلے زمانہ میں نہیں ہوئے اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ اُنھوں نے صحیفۂ فطرت کے پڑھنے میں ایسی کوشش اور محنت کی کہ کوئی بات سوا اسکے متاخرین کے لیے چھوڑی نہیں کہ وہ انہیں کی نقل بُری بھلی کیا کریں ہمیشہ وہ ایک علم کی طرف توجہ کرتے تھے اور اسی کے اسرار جاننے میں محنت شاقہ اُٹھاتے تھے۔ اگر شاعر بننا چاہتے تھے تو نثر سے ہاتھ اوٹھاتے تھے اور اگر نثر میں کمال پیدا کرنا چاہتے تھے تو شعر نہیں کہتے تھے۔ اس لیے پچھلے زمانہ میں بہت ہی تھوڑے ایسے انشا پرداز گذرے ہیں کہ جنکو نظم و نثر دونوں میں کمال ہو۔ بلکہ نظم میں بھی وہ ایک قسم کی شاعری پر توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ کی طرح پہلے زمانہ میں ہفتہ وار اور ماہوار اور روزانہ اخبار نکلتے تھے کہ جھٹ پٹ اُن کی تصنیفات شائع ہو جاتی اسلیے برسوں وہ اُن کے گھر میں پڑی رہتی۔ اور اُس کی اصلاح کا موقع ان باتوں سے ہاتھ لگتا۔ دشمنوں اور دوستوں کی رائے سے نئی نئی معلومات اور خیالات معلوم ہوتے جب ذہن محنت سے آرام پاتا ہے تو از سرِ نو پھر اُس میں تازگی اور توانائی خیالات کرنے کی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرصت اور فراغت میں خود سوچنے سے خیالات کی درستی ہو جاتی ہے۔ غرض اِن کی تصنیفات برسوں کی محنت مشقت کا نتیجہ ہوتا تھا۔ پس جو لوگ کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی تصنیفات کو کامل بنانا تو ان کو چاہیئے کہ وہ برسوں محنت کیا کریں۔ اور طرح طرح سے اپنی تصنیفات کی جانچ پڑتال کیا کریں۔ یہ خبط خیال میں نہ جمایا کریں کہ جو بات ہم کو رات کو سوجھتی ہے اور دن کو ہم اسے شائع کرتے ہیں وہ صحیح اور درست ہی ہوتی ہے۔ اِس طرح اُن کے خیالات بہت تاریک شائع ہونگے اور جلد لوگوں کی نظروں سے تصنیفات گر جائے گی۔ فقط اُن کے دس پانچ دوست ہی اُن کی تصنیف کی تعریف کچھ دنوں تک کریں گے ان کی زندگی ہی میں اُن کی تصنیفات مردہ ہو جائیں گی۔ کمال حاصل کرنا بڑی محنت

اور جانکاہی کا کام ہے۔ برسوں کی محنت و مشقت سے بھی حاصل ہو جائے تو بہت غنیمت ہے۔ کمال حاصل کرنے میں بہت سہج سہج وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔ جو پھول پتے سایہ میں خشک ہوتے ہیں وہ بہت دنوں تک اپنے رنگ اور سرسبزی کو قائم رکھتے ہیں۔ اور جو دھوپ اور آگ کے سامنے آتے ہیں وہ جلد جھلس جاتے ہیں۔ پس اسی طرح جن ذہانتوں کی تعلیم فرصت میں ہوئی ہے وہ زیادہ دیرپا ہوتی ہیں۔ وہ دفعۃً کی سختی اور زبردستی سے پختہ نہیں ہوتیں بلکہ وقت اور استقلال سے +

(۲) ایسے شخص کو کمال حاصل ہو سکتا ہے جو بے یار دوست اور سخت دشمن رکھتا ہے اسلئے کہ دوستوں کی نصیحت سے وہ اپنی خوبیوں پر اور دشمنوں کی فضیحت سے اپنے عیبوں پر آگاہ ہوگا۔

(۳) ہر چیز کے اندر کامل ہونے میں لوگ قصد کرتے ہیں مگر اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ انمیں کبھی کمال حاصل ہو ہی نہیں سکتا جو کمال حاصل کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اس میں بڑی محنت و جانکاہی کرتے ہیں وہ کمال کے نزدیک بہ نسبت ان لوگوں کے پہنچ جاتے ہیں جو اپنی کاہلی اور مایوسی کے سبب کمال کا خیال اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم اس تک پہنچنے کے نہیں +

(۴) اگر تم وہ کمال حاصل کرنا چاہتے ہو جو تم میں نہیں ہے تو کبھی حالت موجودہ پر راضی نہ ہو اسلئے جس حالت سے تم اپنی خوش ہو جاؤ گے وہیں ٹھیر جاؤ گے جہاں تم نے کہا کہ مجھے کافی کمال حاصل ہو گیا وہیں سے زوال شروع ہو جائے گا۔ ہر کمالے را زوالے کے معنی یہی ہیں۔ کہ جہاں آدمی نے یہ سمجھا کہ میں کامل ہو گیا وہیں زوال شروع ہوا۔ ہمیشہ کچھ زیادہ کرو۔ ہمیشہ آگے بڑھو۔ ایک جگہ نہ کھڑے رہو نہ اولٹے جاؤ نہ بہکو +

(۵) ہنر کو کمال قدر شناسی سے ہوتا ہے۔ قدر مردے است بعلم و قدر علم بکمال۔

تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا میں جن سلاطین اور امرا نے علم و ہنر کی قدرشناسی کی وہ زمانہ مخزن کمالات بن گیا۔ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کی قدرشناسی کے سبب سے اہل کمال کا جمگھٹ اسکے دربار میں لگا رہتا تھا۔ جن علموں اور ہنروں کی یہاں قدرشناسی ہوتی رہی۔ اُن کے جاننے والے باکمال ہوتے رہے جب قدرشناسی نیست ہوگئی تو وہ علم و ہنر بھی مٹ گئے۔

یورپ میں فقط سلاطین کی قدرشناسی سے کمال کو ترقی نہیں ہوتی بلکہ عوام و جمہور کی قدرشناسی سے یہ عوام بادشاہ سے بھی زیادہ قدرشناسی کر کے علم و ہنر سے ملک کو گلستان بے بہا بناتے ہیں۔ ادہر ایک کام کو کسی نے بزور طبیعت ایجاد کیا۔ اُدہر عوام نے اس کا انعام دیا جس سے موجد کو تقویت ہوئی اور ایجاد کو کمال ہوا۔ سلسلہ فطرت میں ہر چیز کا کمال اسکی انتہا پر منحصر ہے۔ ابتدا میں کوئی ایسا ایجاد موجد نہیں کرتا۔ کہ اس میں کوئی اصلاح نہ ہو سکے۔ یا اس میں ترمیم اور تکمیل کا موقع نہ ملے۔ ہمارے ملک میں جب کوئی ہندو مسلمان ایجاد کرتا ہے تو اُسکی ابتدائی حالت کو انتہا کا سمجھکر اور اپنی کم فہمی سے پست فطرت اعتراض کرتے ہیں اور جہانتک ہو سکتا ہے موجد کی دل شکنی کرتے ہیں اسی سبب سے ہمارے اہل وطن بے ہنری کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ کبھی اس بات کی فکر نہیں کرتے کہ اپنی قوم کو کسی تدبیر سے علم و ہنر کا لباس پہنائیں اور ترقی کسب کمال سے آراستہ کریں۔ اور کمالات کی سچی قدرشناسی کر کے لوگوں کے دلوں میں اُس کی عزت بٹھلائیں بلکہ بجائے اسکے ان کی جانب سے وہی ناقص قدردانی ظہور میں آتی ہے کہ موجد پر ہمیشہ طعن و تشنیع کے واسطے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بجائے اسکے ان کی قوم کا نامور ہو اپنی ناموری کا خیال اُسکی بدنامی سے چاہتے ہیں۔ موجد کو بجائے سچا صلہ دینے کے تکلیف اور ایذا کا صلہ دیتے ہیں جس سے وہ بجائے حوصلہ بلند کرنے کے حوصلہ پست کرتا ہے۔ اُن کو ذرا بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اپنی قوم کی ذلت عین اپنی

ذلت ہو اور اوس کی بے ہنری اور بے علمی اپنی بدنامی ہے - ہنر کی ترقی اور کمال کا عروج ہمیشہ اس بات پر موقوف ہو کہ زمانہ کے لوگ خواہ سربرآوردہ خواہ عوام اُس کی قدر کریں اور اہل کمال کی توقیر اور عزت اور سلوک میں بدل ساعی ہوں - اس ملک میں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اہل کمال کی قدر و منزلت سے کیا نتیجہ ہے اور ملک کو اس سے کیا فائدہ ہے - وہ یہ سمجھے نہیں ہیں کہ کونسا کمال کس قدر و منزلت کے لائق ہو اس قسم کا مذاق ہی جاتا رہا ہو - وہ اہل یورپ کو دیکھیں کہ اُن کی قدر دانی اور جوہر شناسی علم و ہنر نے ان کے ملکوں کو دنیا کے پردہ پر بے نظیر بنا رکھا ہو علم و فضل کے روبرو روپیہ کی بے انتہا مقدار کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں -

دفعۃً دولت ملنے سے آدمی پر کیا اثر ہوتا ہو

یہ ایک بڑا پُرانا تجربہ چلا آتا ہو کہ آدمی کی جیسی دولت مندی بدلتی ہو ایسی ہی اُس کی حالت بدلتی ہو اور اوس کے رنگ ڈھنگ اوضاع و اطوار متغیر ہوتے ہیں - اگرچہ یہ ٹھیک ٹھیک بتلانا نہایت مشکل ہو کہ کسی غریب آدمی کو دفعۃً دولت و حکومت ہاتھ لگ جائے تو اوسکی کیا حالت ہوگی - مگر اس پر سب کا اتفاق ہو کہ بہت ہی کم آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جو دفعۃً دولت اور حکومت پائیں اور اون کے اخلاق بہتر ہو جائیں - جب گلستان دل پر دولت کا آفتاب چمکتا ہو تو حماقت کے کانٹوں کے درخت خوب پھولتے پھلتے ہیں - مگر نیکی کی کلیاں کھلنے نہیں پاتیں کہ مُرجھا کر گر جاتی ہیں - یہ رائے نو دولتوں کے باب میں اس قدر مشاہدوں کے بعد قائم ہوئی ہے کہ اوس کے برخلاف مشاہدے ایسے کبھی نہیں ہونگے کہ وہ اوس کو منقطع کر کے برباد کر دیں - بہت سے آدمی ہر حالت میں خراب ہوتے ہیں اُن کی اعلیٰ اور ادنیٰ حالت میں جو فرق ہوتا ہو وہ یہ ہو کہ اعلیٰ حالت میں وہ اپنی خواہشوں کو زیادہ پورا کر سکتے ہیں اور ادنیٰ حالت میں کم - یا آدمیوں کی مذمت کے خوف سے زیادہ رُک سکتے ہیں - بہت سے

آدمی دولت پاکر اپنے سچے قواعد اخلاق کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ مکر اور جبر سے
جو دولت حاصل کرتے ہیں اُس کو ظلم اور فضولی میں کھو دیتے ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ گو خارجی
فائدوں کے سبب سے انسان کے دل کا قصوروار ہونا اکثر یہ ہوتا ہے مگر وہ ایسا کلیۃً نہیں
ہوتا جیسے بعض آدمی البغض او رکینہ کے سبب سے یا تقریر کے جوش میں آن کر بڑے بڑے
لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ جو نودولت اپنے ہمسروں میں زیادہ سرافراز ہوتا ہے
اوسکی دولت و ثروت پر حسد کی نگاہ زیادہ تر پڑتی ہے۔ اس بیچارہ نودولت کا بہت جلد
فائدوں کا حاصل کر لینا ان لوگوں کی نسبت جو اُس کی برابر محنت مشقت کرتے تھے
اور لیاقت رکھتے تھے اُس کا جرم سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ اس کے ساتھ معاملات زندگی
میں برابر دوڑ کر رہے تھے اب وہ اُن سے ایسا آگے بڑھ گیا کہ اُس کے ساتھ والوں کو کچھ
امید ہی باقی نہیں رہی کہ وہ اس کو کسی طرح پکڑ لینگے۔ یہ مایوسی اُن کے دل میں حسد کی آگ
ہے اور حسد یہ کہوائی ہے کہ اوس کے دولت حاصل کرنے کے وسائل ناجائز تھے۔ اس کے
کام حماقت اور غرور کے تھے غرض جس کی ترقی کو وہ روک نہیں سکتے اُس کے تنزل کی
[illegible] کیا کرتے ہیں اور فالیں نکالا کرتے ہیں۔

نودولت خواہ کیسا ہی پاک طینت اور صاف باطن ہو مگر بدبین اس کے ان عیبوں کو
جو مخفی تھے اور کسی کو غرض ان کے تلاش سے نہ تھی ڈھونڈھ ڈھانڈ کر نکال لیتے ہیں وہ
کیسا ہی سب کے ساتھ بمدارات پیش آتا ہو اور مستقل مزاج ہو مگر اس کے ناپسند کرنے والے
بہت لوگ ہوتے ہیں جنکی ملامت اور مذمت سے وہ نہیں بچ سکتا۔ غرض نودولتوں میں
ثروت سے اتنی برائیاں نہیں پیدا ہوتیں جتنی لوگوں کے دلوں میں حسد سے پیدا ہوتی ہیں
اکثر نودولتوں پر غرور کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے
کاموں میں کامیاب ہوتا ہے تو اپنی لیاقتوں اور قابلیتوں کی نسبت نیک رائے
رکھتا ہے جس شخص کی ترقی ہوتی ہے وہ اس بات کو مشکل سے مانتا ہے کہ اس میں بخت

واتفاق کا۔ دوستوں کی عنایت کا۔ اور ہزاروں باتوں کا جو ہر واقعہ میں ایسی پیش آتی ہیں کہ جن میں تدبیر کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا کوئی حصہ ہے۔ وہ ساری کامیابی کو اپنی حسن لیاقت سے منسوب کرتا ہے اور اپنی خیالی لیاقتوں سے بڑے بڑے دعوے کرنے لگتا ہے۔ اور اپنی قدر و قیمت دولت کے اعتبار سے لگاتا ہے نیکیوں کے اعتبار سے نہیں پس اسی اعتبار سے لوگ اسکے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور حسد رشک سے اُس کی اچھی باتوں کے بھی بُرے معنی لگاتے ہیں۔ اسکی آزادی کو اکھڑپن۔ اُس کی متانت و سنجیدگی کو تصنع و کشیدگی اسکی ظرافت کو خطا و قصور۔ تواضع اور تعظیم کو ملق و حماقت۔ اسکے بے تکلف ملاپ جلاپ کو گستاخی و بے ادبی۔ غرض ہر حرکت پر اعتراض قاعدہ ہے کہ جتنی ناگہانی اور دفعۃً تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ اندیشناک ہوتی ہیں ایسی ہی اس تبدیلی میں بھی سلامتی نہیں کہ دفعۃً مفلسی سے آدمی بڑا دولت مند ہو جائے جن عیش و عشرت کی چیزوں کو حسرت کی نگاہ سے مدتوں تک دیکھتا رہا ہو اور اُن تک رسائی نہ ہوئی ہو وہ دفعۃً ہاتھ لگ جائیں تو نہایت مشکل ہے کہ آدمی ایسے اعتدال کی طبیعت کو رکھے کہ وہ عقل کو سلامت رہنے دے۔ مشہور ہے کل جدید لذیذ جو چیز نئی ہاتھ آتی ہے وہ عزیز ہوتی ہے۔ اشتہا ہر تفریح کو بڑھا دیتی ہے اور اصلی قیمت سے زیادہ اس کا تخمینہ کراتی ہے۔

نو دولتوں اور پشتینی دولتمندوں میں صاف فرق نظر آتا ہے۔ نو دولت کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کال کے مارے کو روٹی ہاتھ لگے۔ وہ اپنی دولت سے عیش و عشرت کرنا بہت جلد چاہتا ہے۔ لباس کی بھڑک۔ سواری اور اسباب خانہ کی رونق۔ دسترخوان کی پُرالوانی۔ غرض یہ ساری باتیں اپنی شان و نمود کے لیے بڑے کروفر سے دکھاتا ہے۔ ہزاروں پرانی چیزیں ایسی ہوتی ہیں وہ کثرت ممارست سے نظروں میں بے قدر ہو جاتی ہیں اور اُن پر ذرا توجہ نہیں ہوتی۔ مگر اسکے برخلاف نئی چیزوں کا حال ہوتا ہے

امریکہ میں ورجینیا کے بادشاہ کو فرنگیوں نے دروازہ میں قفل کنجی سے لگا کے دکھایا۔
تو وہ یہ دیکھ کر کہ میں کیا آسانی سے اشیا کو کھول موند سکتا ہوں صبح سے شام تک
قفل کنجی سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ لوگ اس بادشاہ کی نادانی پر ہنسینگے مگر اس مضمون کے
پڑھنے والوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو اس بادشاہ کی طرح ادنی سی نئی چیز
کی خوبی پر گھنٹوں مصروف نہ رہا ہو جب کسی آدمی کو دولت کا جھونکا ایسے مقام پر پہنچا دیتا
ہے کہ جہاں کی چمک دمک جو پہلے کبھی نظر نہ پڑتی تھی آنکھوں کو چندھیاتی ہے اور وہ نعمتیں
اشتہا بڑھاتی ہیں جنکا مزہ کبھی نہ چکھا تھا۔ تو وہ ضرور تن پروری کریگا عجب نہیں کہ وہ
اس نو دولتی میں ایسا مست ہو کہ لوگوں کو اپنے خیال میں نہ لائے۔ اپنی رائے کو وہ
بے خطا جاننے لگے اور یہ چاہے کہ لوگ اس کو الہام کی طرح ماننے لگیں خوشامدی اس
سودے کو اسکے دماغ میں اور بڑھا دیتے ہیں۔ اول تو اس کی کان میں کوئی آواز ہی اسکی
حماقت اور خطا کے کام کی نہیں جاتی ہے۔ اور اگر کسی اتفاق سے پہنچ جاتی ہے تو خوشامدی
اسکو یونہیں اڑا دیتے ہیں جب وہ اپنے ہمسروں میں رہتا تھا تو دوستوں کی نصیحت سے
اور دشمنوں کی فضیحت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ مگر اب وہ اس سے محروم ہو گیا۔ بہت سی جماعتیں اور
گروہ ایسی جمع ہو جاتی ہیں کہ برے کام کراتی ہیں گو نو دولت اس طرح بگڑ جاتے ہیں مگر یہ
بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کی یہ حالت بہت دنوں نہیں رہتی جلد اس مستی کا نشہ اتر جاتا
اور وہ اپنے ہوش حواس درست کرکے پھر خوش اطوار ہو جاتے ہیں۔ اور غرور تکبر سے
لوگوں کے ساتھ پیش آنے میں سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمکو اوروں کی احتیاج ہے اور کوئی خوشی
اوروں کی شرکت بغیر نہیں حاصل ہوتی۔ بدی ایسی نامرد ہوتی ہے کہ وہ سازشوں اور
جماعتوں کی اعانت ڈھونڈتی ہے۔ اور نیکی جوانمرد ہوتی ہے کہ بذات خود بے اعانت
غیر قائم ہوتی ہے۔ پس نو دولت جو بدی کی طرف جاتے ہیں وہ ایک گروہ کو اپنے
ساتھ ضرور رکھتے ہیں +

آدمی کو بہت سے فائدے ایک ساتھ نہیں مل سکتے

بہت سی نعمتیں آدمی چاہتے ہیں اور اُن میں تھوڑی سی ملتی ہیں اسواسطے اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بجائے شکر کرنے کے شکایت کرتے ہیں اور ہمت واستقلال سے اپنی حالت کو بہتر کرنے کی عوض میں اوسی حالت میں ٹھیر جاتے ہیں جس سے خوش نہیں ہوتے مشیت ایزدی نے انسان کی خوشیوں کی ایک سرحد نہایت مستحکم مقرر کردی ہے جو کسی طرح اپنی جگہہ سے ٹل نہیں سکتی- اُسنے انسان کی خوشیوں کو باہم ایک دوسرے سے ایسے [illegible] فاصلوں پر رکھا ہے کہ اُس کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ سب پاس جا سکے ہر انسان کو یہ قانون سمجھہ لینا چاہئے کہ متضاد چیزیں یکجا جمع نہیں ہوسکتیں جن چیزوں کو قدرت نے الگ الگ ایسا بنایا ہے کہ وہ جمع نہیں ہوسکتیں اُن کے ملانے میں اپنی عمر ضائع نہ کرے نقیض صفات کے پیدا کرنے کا قصد نہ کرے متضاد کے متفق کرنے میں اپنی زندگی برباد نہ کرے جو چیزیں آدمی کے متضاد اطراف میں رکھی ہوں تو یہ امر ناممکن ہے کہ آدمی ایک چیز کے نزدیک جائے اور دوسرے سے دور نہ ہو جائے خواہ کیسا ہی کوئی سوچ بچار کرے اور منصوبے باندھے وہ دونو ہاتھہ نہیں آسکتیں- مگر ہاتھہ سے جاسکتی ہیں ان دونو کا آپس میں مقابلہ کر کے فیصلہ کرے کہ کس کو ترجیح ہے جس کو ترجیح ہو اوس کی طرف چلے- پھر دوسری جانب رخ کرنا عقل کے خلاف ہے- خواہ وہ کیسی ہی قدرت ہماری آنکھوں کو اپنی بہار دکھانے کی اور خیالات کے روشن کرنے کی رکھے- جو شخص ناجائز خوشیوں کی ترغیب میں آکر اُن کی جانب مڑیگا وہ نیکی کی راہ میں کبھی سلامتی کے ساتھہ نہیں چلے گا- انسان بڑی غلطی یہ کرتا ہے کہ وہ ان حالتوں سے خوش نہیں جنکے اندر اوسکی اصلی خوشی موجود ہوتی ہے- وہ علم کی خوبیوں سے خوب آگاہ ہے- وہ صحت کی کل منفعت کو سمجھتا ہے- تونگری کے آراموں کو جانتا ہے- مگر افسوس یقین کا اثر دل پر کچھہ نہیں- بہت سے آدمی علم کی تعریف بھی کرتے ہیں اور اسکی تحصیل کا شوق بھی ظاہر فرماتے ہیں مگر کاہلی کا تکیہ لگا کے ایسے سوئے ہیں کہ علم کی آوازوں سے

کرنے کی قدرت رکھتے ہیں مگر اس کا ارادہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے نیک و بد پر غور نہیں کرتے کہ ان میں سے ایک چھوڑیں اور دوسرے کو اختیار کریں وہ غفلت اور بے پروائی میں غرق رہتے ہیں۔ اور بخت و اتفاق پر بھروسہ کئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور کچھ کوشش و سعی نہیں کرتے۔ آخر کو روتے ہیں کہ ہائے ہم نے یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا۔

ہم کن آدمیوں کو ہنسی میں اُڑایا اور بنایا کرتے ہیں

ہر آدمی میں دو طرح کی صفات ہوتی ہیں ایک وہ جو سب آدمیوں میں مشترک ہیں اور اس کو ممیز از حیوان بناتی ہیں دوسری وہ صفات جو اس کو اپنے نوع بشر میں ممتاز کرتی ہیں اور خاص اُس کی طبیعت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں پس اپنی ان صفات کی تربیت طبیعی وہ انسانیت کے قوانین عظیم کی مخالف نہ ہوں نہایت احتیاط سے مستقل طور پر رکھنی چاہیے۔

بہت ہی کم مجالس نشاط ایسی منعقد ہوتی ہونگی کہ جنمیں کوئی نہ کوئی آدمی ایسا نہ ہوتا ہو کہ جس کو لوگ ہنسی میں نہ اُڑاتے ہوں۔ آدمی کی ہنسی میں خاک جب ہی اُڑتی ہے کہ وہ اپنی اصلی خصلت کو بدل کر جعلی خصلت کے لباس میں دکھاتا ہے اور وہ چیز اپنے میں دکھانی چاہتا ہے جو نہ تعلیم و تربیت نے نہ قدرت نے اسمیں پیدا کی ہے غبی جاہل کودن سے کوئی خوش نہیں ہوتا۔ مگر کوئی اس کی ذلت اور خواری بھی نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ اپنے تئیں عالم نہیں ظاہر کرتا اور علم میں دون کی نہیں لیتا اکھڑ اور بے ڈھنگے آدمی دلوں کو اسطرح تسخیر نہیں کر سکتے جیسے کہ خوش خلق اور نرم مزاج مگر کوئی انکو ہنسی میں نہیں اُڑاتا جب تک وہ بگلا بھگت بن کے اپنے تئیں بڑا خلیق نہیں جتلاتے۔ بدصورت پر رحم زیادہ بہ نسبت حقارت کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وہ لباس اور زیب و زینت کر کے لوگوں کی نظروں میں خوب صورت بننا چاہتا ہے تو اس کو بنا کے ذلیل کرتے ہیں۔ بازار میں کھڑے ہو کر بھیڑ بھاڑ کو دیکھو تو بہت سے آدمیوں کی وضع طرح طرح کو بے اختیار ہنسی آئے گی اور خواہ مخواہ وہ نظر میں ذلیل جچینگے اسکا سبب

کسی کی بیماری اور نہ کسی کا عیب و نقص جو مجبوری سے ہو بلکہ اکا اترا اترا کے چلنا کسی بانکے ترچھے کا زنانہ پن کسی نامرد کا اوچھی بننا کسی جاہل کا عالمانہ شملہ و دستار کا رکھنا غرض اس چیز کا دکھانا جو اس کی اصلی نہیں ہے۔ ایسے آدمی اپنے تئیں خود بناتے ہیں تاکہ وہ بزرگی اور عزت پائیں اور لوگ تعریف کریں مگر ان کو یہ جاننا چاہئے کہ جن ارباب کمال میں اصلی قابلیتیں اور لیاقتیں ہوتی ہیں ان کی تحسین و آفرین میں تو لوگ مضائقہ کرتے ہیں ان کی جعلی لیاقتوں کی کون تعریف کرے گا۔ اس سے تو ان کی خوب خاک اڑیگی اور ذلت ہوگی۔

دوالہ

عالم تجارت میں سوداگروں کے دوالہ سے بڑا زلزلہ آتا ہے۔ یہ دوالئے اپنی صورت ظاہری بڑے دولت مندوں کی سی بناتے ہیں تاکہ ان کا اعتبار ایسا پیدا ہو کہ وہ اوروں کے سرمایہ سے تجارت کریں اور لوگوں سے قرض لیں جس کے ادا کرنے کی کوئی صورت سوا اس کے نہ ہو کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے۔ غرض چند روز وہ اس طرح سے اپنی تجارت کے کارخانے وسیع بنا کے چلاتے ہیں لیکن دفعتہً وہ ڈوب جاتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لے ڈوبتے ہیں جو ان کے بھی ساز و سامان کی شان بنانے کے معاون تھے۔ آپ خود مفلس ہو جاتے ہیں اور اوروں کو بھی مفلس کرتے ہیں۔

آدمی اپنے تئیں بڑا دھوکہ دیتا ہے

اپنی لیاقت۔ قدرت۔ قابلیت کے اندازہ کرنے میں انسان کی رائے بڑی خطا کرتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا ہے کہ جیسے اپنا علم جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی میں خطاوس۔ گناہوں۔ حماقتوں سے بچوں گا۔ میری خودشناسی جتنی زیادہ ہوگی اوتنی خداشناسی بڑھے گی۔ اور اوس سے میرے خیال افعال مجموعہ مسرت بنجائیں گے

مشکل ہی کہ آدمی خود شناس ہو۔ جہاں دیکھو وہاں یہ نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں کی جتنی قدر
خود کرتا ہے اتنی دوسرا کوئی اور نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوبیوں کی ایسی تعریف کرتا ہے کہ کوئی
اوس کا عاشق بھی اُن کی اتنی ستائش نہیں کرے گا۔ یہ خود پسندی جو اوس کے دل میں
خیالی نیکیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اُس کو لوگ ریاکاری اور تعریف و اعتبار کی جعل سازی
جانتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اسلئے جو اس طرح اپنی شہرت پھیلانے ہیں پہلے
وہ خود فریب اور دہوکہ کھاتے ہیں اوروں کو فریب نہیں دیتے ہیں۔ انسان کو اپنی
ذات سے ایسی محبت ہے کہ نہایت مشکل ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور برائیوں کو دیکھہ سکے
محبت ہمیشہ محبوب کے عیبوں کے دیکھنے میں اندھی ہوتی ہے۔ وہی آدمی اپنے دل کا
حال خوب صحیح جان سکتا ہے جو انسان کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔ انسان اپنے
میں اس نیکی کی عادت کا یقین کرتا ہے جو اوس نے ساری عمر میں ایک دفعہ کی ہو مثلاً کسی
کنجوس نے اپنے ایک دوست کو قید سے کچھہ روپیہ کی مدد کر کے بچایا ہو تو وہ صرف
اس ایک دفعہ کے سلوک کو یہ جانے گا کہ میری عادت ہے کہ میں دوستوں کے ساتھہ
دولت سے سلوک کیا کرتا ہوں۔ جب کوئی بخیل پر لعنت ملامت کریگا تو وہ مثال اپنی فیاضی
کی پیش کر کے اپنے دل کو راضی کر لے گا۔ جیسے بعض شیشوں کی خاصیت ہوتی ہے
کہ اگر اُن کے ایک سرے کو آنکہہ سے لگاؤ تو وہ چیزوں کو بڑا کر کے دکھاتے ہیں اور دوسرے
کو لگاؤ تو چھوٹا۔ پس ایسے ہی مغالطوں سے برائیاں چھوٹی اور نیکیاں بڑی ہو جاتی ہیں
بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نیکیاں اپنے میں سمجھنے لگتے ہیں جو اوروں کو کرنے
کے لئے وہ سمجہاتے ہیں۔ فیاضی۔ اعتدال۔ ایمانداری کا بیان جب وہ فصاحت سے کرتے
ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ نیکیاں ہم میں خود پیدا ہو گئیں اس غلطی میں اکثر وہ لوگ پڑتے ہیں جنکا
پیشہ نیکیوں کے سمجھانے کا ہے۔ وہ فقط اس بیان کرنے پر اکتفا کر کے اپنی چال چلن پر متوجہ
نہیں ہوتے کہ وہ کیسا ہے۔ ایسے آدمیوں کا بھی ایک گروہ ہے کہ وہ اپنی بری چال چلن کو

مذہبی پیمانے سے نہیں ناپتے۔ بلکہ اور لوگوں کے اطوار سے اگر وہ خراب تر ہیں اور یہ خستہ
تو اپنے تئیں نیک جانتے ہیں۔ اگر اور دس گناہ کرتے ہیں اور یہ نو تو اپنے تئیں بڑا نیک
جانتے ہیں غرض یوں ہم اپنے تئیں آپ دھوکا دیتے ہیں اپنے تئیں نہیں جانتے سنیکا کا
قول ہے کہ موت اس شخص پر بڑی سخت ہوتی ہے۔ جو اپنے تئیں نہیں جانتا اور بہت
سے لوگ اس کو جانتے ہیں آدمیوں کو چاہئے کہ اپنے تئیں جانیں جس پر تمام نیکیاں موقوف ہیں

آدمیوں کی قسمیں

جب ہم کسی شخص کی طبیعت میں شرارت ظاہری نہیں دیکھتے اور کوئی برا کام کرنا اس کا
ہمیں نہیں معلوم ہوتا تو ہم اسکو بھلا آدمی کہتے ہیں گو وہ کوئی علم و ہنر نہ رکھتا ہو اور اعلیٰ
درجہ کا تعلیم یافتہ نہ ہو۔ ان بھلے آدمیوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اور
آدمیوں کو ایسی تکلیف پہنچتی ہے جیسے سونے والے کو چارپائی میں کھٹملوں سے
بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں انھوں نے کسی شخص کو ایسا کام کرتے ہوئے
دیکھا کہ جسمیں خداپرستی اور نیکی ہو وہاں انہوں نے اسپر الحاد اور کفر کا فتویٰ دیدیا
ایک شخص کو نماز قضا کرتے دیکھا۔ اس پر جہنمی ہونے کا حکم لگا دیا۔ بعض ان میں
ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نصیحت ہی کرتے پھرتے ہیں۔ جہاں کسی دوست سے ملے
اس کو سمجھانا شروع کیا کہ تم اس شخص سے دوستی کرکے پچھتاؤگے۔ اگر اس سے معاملہ
داد و ستد کروگے تو نقصان اٹھاؤگے۔ فلاں فلاں چیزیں ساتھ کھاؤگے تو
کوڑھی ہو جاؤگے۔ اس مرض کا علاج کروگے تو مر جاؤگے۔ بعض ان میں ایسے ہوتے
ہیں کہ وہ جس شخص سے ملتے ہیں اس سے یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص تمھاری تعریف کرتا تھا
اور فلاں شخص ہجو۔ معلوم نہیں کہ وہ تعریف کیوں کرتا تھا اور یہ ہجو کیوں۔ بعض ایسے
ہوتے ہیں کہ اوروں کو تکریم و تعظیم و آداب کے لئے تاکید و تنبیہ کرتے رہتے ہیں۔
غرض یہ پانچ چھ قسم کے بھلے آدمی ہوتے ہیں جنکے یہ کام ہوتے ہیں +

(۱) خدا سے سرکشی کرنے کا نام گناہ ہے۔ کوئی چیز دنیا میں خدا سے ضد کرنے والی گناہ کی برابر نہیں ہے۔ خدا نور ہے گناہ ظلمت ہے۔ خدا تعالیٰ حسن و جمال باکمال ہے گناہ زشت و کریہ منظر ہے۔ خدا کبھی کسی طرح گناہ سے راضی نہیں ہوتا۔ خواہ گناہ کی صورت کیسی ہی شیریں آدمی بنائے مگر اُس پر خدا تعالیٰ کبھی التفات نہ کرے گا۔

(۲) انسان ان وسائل کی تلاش کے درپے اتنا نہیں ہوتا کہ جس سے اوس کو معلوم ہو کہ کیا اسکو کرنا چاہئے۔ جتنا وہ اِن کاموں کو کرنے کو بیٹھتا ہے جن کو وہ چاہتا ہے۔ شہوات نفسانی اور جہالت اور تعصب کا غلبہ انسان پر وہ غالب ہے عقل ہر چند اسکو نیک کام کی طرف ہدایت کرتی ہے مگر وہ اُس کی سنتا نہیں کہ کیا کہتی ہے۔ گناہ کا اصل اصول جہالت۔ حماقت۔ غفلت ہے۔ سمجھ میں ایک غلط مقدمہ پہلے سے ایسا مرتب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ارادہ کو غلط طور پر کام میں لاتا ہے جس میں جب چکر آتا ہے تو آدمی کا پاؤں لڑکھڑاتا ہے۔ انسان کسی کام کی تمام حالتوں پر غور نہیں کرتے اگر غور کرتے ہیں تو عملاً اوس کا فیصلہ نہیں کرتے کہ یہ کام بُرا ہے بلکہ اوس کے برخلاف یہ سمجھتے ہیں کہ یہ گناہ کا کام فائدہ مند اور مزہ دار ہے۔ بُرا دل گو مقدمات کو نیک مان لے مگر اُن کے نتیجے ہمیشہ اُلٹے نکالے گا۔ شہوت نفسانی قلب کو اُلٹا کر دیتی ہے۔ تحقیق حق میں تعصب اور جہالت سے دل کو معمور کر دیتی ہے۔ سیاہ قلبی اور شہوات نفسانی میں ہمیشہ مصالحت رہتی ہے مغائرت ہوتی نہیں جنکا قلب سیہ ہوا ہوتا ہے۔ اُن کا مذہب بھی ایسا ہوتا ہے کہ اُن کی شہوت پرستی کو بے لطف نہیں ہونے دیتا اور نہ شہوت پرستی اُن کو دق کرتی ہے جسکا قلب غافل ہو جاتا ہے وہ ظلمت کو نور سمجھتا ہے۔ راستی کو جھوٹ جانتا ہے جن باتوں کو چاہتا ہے یقین کرتا ہے۔ اُن باتوں کو یقین نہیں کرتا جنکو یقین کرنا اُسپر فرض ہے اُسکے قلب سیاہ میں بھول بھلیاں اور ایچ پیچ کی راہیں اور کمینیں ہوتی ہیں کہ جنمیں شہوات

نفسانی خوشی ہمیشہ رہتی ہیں۔ گناہ گار اپنے گناہوں پر کبھی ریا کا کبھی مذہب کا نقاب ڈالتا ہے
کبھی بُرے کام کا نام اچھا لیتا ہے کبھی بُرے ارادہ کا انجام نیک بتلاتا ہے کبھی بدکاری
کے سبب کو نیک ٹھیراتا ہے۔ اُس کی شہوت پرستی جب کسی قانون اور قاعدہ کے موافق
نہیں ہوتی تو وہ اُن کے لئے قاعدے گھڑ لیتا ہے۔ پرانی غلطیوں کے صحیح ہونے کی نئی
نئی دلیلیں بیان کرتا ہے۔ شہوت پرست گناہوں کے باب میں ایسے مباحثے اور دلیلیں
گھڑتے ہیں کہ جنسے بڑے گناہوں کا چھوٹا ہونا اور چھوٹے گناہوں کا بالکل گناہ نہ ہونا
ثابت ہو۔ غرض یہ جہالت غفلت گناہ کی اصل اصول ہیں۔

(۳) گناہ گاروں کو گناہ بہلاوے دیتا ہے اور زندگی۔ خوشی۔ فائدے دینے کے وعدے
کرتا ہے مگر وہ دیتا کیا ہے۔ موت۔ رنج قلق دیتا ہے۔ پس جو گناہ کی اس دغابازی مکاری
جھوٹ کو سمجھنا چاہے وہ اوس کے وعدے اور ایفاء وعدہ کو دیکھ لے کہ کیا دینے کا وعدہ کرتا
ہے اور کیا دیتا ہے۔ شکر دینے کا وعدہ کرتا ہے اور زہر دیتا ہے +

(۴) آدمی کو چاہئے کہ اول ہی وہ گناہ کو دل میں داخل ہونے سے روکے اور اس کی ترقی
نہ ہونے دے۔ گناہ کو ایک جگہہ قرار نہیں ہوتا ہے۔ اگر تم اس سے پیچھے نہ ہٹوگے اور اُسکے
ساتھ آگے بڑھوگے تو اتنا ہی پیچھے پھر آنا دشوار ہوتا جائیگا۔ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ
انسان کی زندگی میں ایک دھارا ہے جو سہج سہج تم کو جہنم کی طرف بہائے لئے جاتی ہے
اگر اُس میں بڑے گناہ شامل ہوگئے تو اُس دھار میں وہ طغیانی آئے گی کہ تم کو بہت
تیز رفتاری کے ساتھ اُس کا زور دوزخ تک ایسا جلد پہنچا دیگا کہ کبھی چھوٹے گناہوں
کی دھار نہ پہنچاتی۔ کبھی سینہ میں گناہ کو جگہہ نہ دو اوس کے دو متضاد اثر دل پر ہوتے
ہیں۔ کیا وہ دل کو ڈراتا ہے یا سن کرتا ہے۔ اکثر دوسری صورت ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے
گناہوں کے کرنے سے آدمی بڑے بڑے گناہ کرنے لگتا ہے۔ اُن کا نہ کرنا حفظ ماتقدم
بڑے گناہوں سے ہے۔ کوئی شخص عصیان کاری اور شرارت میں دفعۃً کامل نہیں ہو جاتا

[illegible]

کسی طرح نہیں دور ہوسکتا۔ آگ کا بجھانا چنگاری کے بجھانے سے زیادہ دشوار ہوتا ہے
جس مرغی کے انڈے کو سانپ سیئے اور اُس سے جو چھوٹ موٹ کا سانپ پیدا ہو اُسکا مار ڈالنا
سانپوں کے مارنے سے بہت آسان ہے۔ پیرانہ سالی میں گو جسم نہایت ضعیف و ناتوان
ہوجاتا ہے مگر کوئی عضو معدوم نہیں ہوتا کہ اُس کا گناہ معدوم ہوجائے۔ داغ دھبا جتنے
دنوں زیادہ رہتا ہے اُتنا ہی وہ گہرا ہوجاتا ہے۔ جن کو گناہ کرنے کی عادت ہوتی ہے
اگر وہ عملاً اپنی جوانی کے سے گناہ نہ کریں مگر خیالاً وہ جوانی سے بھی زیادہ گناہ کرتے ہیں
گناہ سوء مزاج کا مربی ہے۔ گناہ گاری اچھے طبیبوں کو پیدا کرتی ہے۔ ہمارے گناہوں کا
حال ہمارے سایہ کا سا ہے کہ عروج کے وقت وہ بالکل ظاہر نہیں ہوتے اور زوال کے
وقت شام کو زیادہ بڑے معلوم ہوتے ہیں روحانی گناہوں سے زیادہ جسمانی گناہ ہم کو
بدنام کرتے ہیں۔ مگر نحوست و شامت میں دونو برابر ہیں۔ گناہ امید کو ناامیدی سے بدلتا ہے
عاقلوں کو احمق بناتا ہے معصوموں کو عصیاں کار۔ اس کا اثر زہر کا سا ہوتا ہے کہ تمام
قواے روحانی کو توڑ دیتا ہے اور سارے کاموں میں سرایت کرجاتا ہے اور ایسا زبردست
اثر کرتا ہے کہ اوس کا ازالہ خداتعالی ہی کرتا ہے +

توبہ

(۱) توبہ اُس کام کے چھوڑنے کا نام ہے جس کو آدمی یقین کرے کہ میں نے اُس کے کرنے سے
خدا کو ناراض کیا ہے۔ توبہ کرنا کیا ہے اپنے اوپر لعن طعن کرنا۔ اپنے تئیں دوزخ کا مستحق
جاننا۔ خدا جو گناہ کی سزا دے اُس کو عین عدالت سمجھنا۔ گناہ کی ندامت کو ہمیشہ پیش
نہاد خاطر اور مد نظر اس طرح رکھنا کہ جس سے دل میں قلق پیدا ہو۔ دائیں ہاتھ کو کاٹنا اور آنکھ
کو نکالنا یعنی اُن نشاط آمیز گناہوں کو چھوڑنا جو جان کی برابر عزیز تھے۔ اُن سے نفرت کرنا
پھر اُن کو نہ کرنا۔ ایسا عادت کرنا کہ گویا اُن کی طرف رغبت کرنا ہماری فطرت ہی میں نہ تھا
توبہ ایک دلی ندامت ہے جس سے آیندہ کی زندگی پاک صاف ہوتی ہے۔ توبہ میں معصوم

بنانے کی قدرت ہے۔ گناہ کی ندامت کے سبب جو آنکھ سے آنسو نکلے وہ نیکی کو مقدس بناتا
ہے۔ مگر یہ آنسوؤں کی جھڑی برابر لگی رہی اُسکے ایک دفعہ کے برسنے سے کام نہیں نکلتا کیونکہ
توبہ فقط ایک دفعہ کا کام نہیں ہے بلکہ وہ ایک متواتر سلسلہ ہے جو برابر جاری رہے۔ توبہ کے
رنج و قلق میں جو لطف ہے وہ کسی خوشی میں مزہ نہیں۔ یہی رنج ایسا ہے جس پر افسوس کرنے کی ضرورت
نہیں توبہ ہی آدمی کو آیندہ کے لئے معصوم بناتی ہے۔ توبہ ہی زمانہ ماضی کی قبر کو سبزہ و لالہ سے
ڈہک دیتی ہے۔ گناہ ہوتے جہوتی توبہ کرنی گناہوں پر اور اضافہ کرنا ہے۔ توبہ کرکے پھر گناہ کرنا
قے کرکے چاٹنا ہے جس سے معدہ اور زیادہ خراب ہوتا ہے۔ سچی توبہ وہ ہے جو آدمی اس سبب سے کرے
کہ میں نے گناہ سے خدا تعالیٰ کو اپنے سے ناراض کیا ہے نہ اس خوف سے کہ خدا مجھے جہنم میں ڈالیگا
توبہ میں رنج و غم غلام کا سا نہو بلکہ بچے کا سا۔ سچی توبہ انسان کے افعال زندگی کو بدل دیتی ہے
خوف اور ندامت ایسی دامنگیر ہوتی ہے کہ بدکاری میں قدم نہیں ٹھنے دیتی۔ گناہ سے دل
ایسا غمزدہ ہوتا ہے کہ گناہ کرنے سے خوف کے مارے آدمی لرزتا ہے۔ ترک عصیاں کاری تقویٰ

جناب باری کو بدل دیتی ہے +

(۲) بعض آدمی توبہ کرنے کو فعل عبث جانتے ہیں بعض توبہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ مگر اکثر
توبہ کرنے میں تساہل کرتے ہیں اس تساہل کے سبب دو مغالطے ہوتے ہیں اول مغالطہ یہ کہ
آدمی خدا تعالیٰ کی رحمت پر خوردبین کا شیشہ لگا کے اُس کو بے حد و نہایت سمجھنے لگتا ہے اور
جانتا ہے کہ کسی قانون اور قاعدہ کی وہ پابند نہیں۔ خواہ میں کیسے ہی گناہ کروں وہ معاف کردیگا
وہ جانتا ہے کہ خدا کی رحمت بے آسروں کا آسرا ہے۔ خوف زدوں کا امن ہے۔ زخموں کا مرہم ہے
ناتوانوں کی توانائی ہے۔ مردہ دلوں کی روح افزائی ناامیدوں کی امیدگاہ۔ غرض خدا کے
لطف و کرم پر اعتبار کرکے توبہ کرنے میں تساہل کرتا ہے۔ دوم خدا کی عدالت کے سمجھنے میں
غلطی کرتا ہے کہ اُسکو یقین ہے کہ وہ گناہ نہیں بخشیگی سزا دیگی۔ اسلئے وہ توبہ سے یہ نہیں جانتا کہ
گناہ بخشے جائینگے۔ اُسکو بالکل بخشائش گناہ سے مایوسی ہوتی ہے۔ جب آدمی کسی کے گناہ

نے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان سمجھاتا ہے کہ وہ نہایت ضعیف و صغیر گناہ ہے۔ خدا کی رحمت
اُس کو بخش دے گی اور جب وہ اُس کو کر چکتا ہے تو اُس کو سمجھاتا ہے کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ خدا کی
عدالت کبھی اُس کی معافی کو جائز نہیں رکھے گی۔ شیطان جھوٹوں کا بادشاہ ہے۔ مگر معلوم نہیں
انسان کیوں اُسکی اس بات کا اعتبار کر لیتا ہے۔ انسان یہ جانتا ہے کہ اب بھی زندگی بہت
باقی ہے جب وقت آئے گا تو توبہ کر لینگے ابھی تو گناہ کے مزے اڑائے جائینگے۔ مگر وہ یہ نہیں
سمجھتے کہ جب موت کا وقت آجائے گا تو توبہ اس آخر وقت کی کس کام کی۔ جب ساری زندگی
بدکاری میں کٹی ہو تو ایک دفعہ کے نیک کام کرنے سے اور چند الفاظ کے کہنے سے کیا ساری عمر
کی بدکاریاں دھوئی جا سکتی ہیں جس نے ساری عمر اپنی چوری میں کاٹی ہو وہ اس آخر وقت
میں توبہ کرنے سے ولیوں کی موت پا سکتا ہے۔

(۳) یہ بات آسانی سے ثابت ہو سکتی ہے اور سب اس کو مانتے ہیں کہ انسان ضعیف البنیان کا
مقصد اعظم یہ ہے کہ اپنے خالق کو راضی رکھے اور یہ حیوان ناطق یہ بھی سمجھتا ہے کہ خداوند تعالی نے جتنے
احکام اُس کے لئے جاری کئے ہیں اُنکو وہ کماحقہ بجا لا نہیں سکتا۔ اسوجہ سے اُس کو خوف ہوتا ہے
کہ خدا تعالی مجھے سزا دیگا۔ اور راندہ درگاہ الہی ہونگا۔ اس سزا کا بوجھ دل پر نہایت گراں
معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے گناہوں کا صدقہ اور فضل الہی سے مایوسی کا کفارہ دیتا ہے یہ دونوں
باتیں ہر مذہب کی جزو اعظم ہیں +

تمام عالم میں گناہوں کے کفارے اور صدقے دینے کے طریقے مختلف ہیں۔ اور بعض ان میں
ایسے مکروہ اور زبون ہیں کہ انسان کو انسانیت کے درجے سے گراتے ہیں وہ حمق اور خوف نے
ایجاد کردئے ہیں۔ مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب زمانوں اور ساری قوموں میں اسپر اتفاق ہے کہ
خدا تعالی بخشایندہ اور بخشندہ ہے۔ ہر مذہب اسی اصول پر مبنی ہے کہ خدا تعالی بڑا غفور الرحیم ہے
وجود الہی کو فلسفہ ثابت کرتا ہے مگر جب تک اُس کے ساتھ غفور الرحیم ہونا اُس کا نہ تسلیم کیا جائے
تو انسان پر فقط وجود الہی کا اثر کمتر ہوتا ہے۔ خدا کے لطف و کرم کا انسان کو کیا لطف آئیگا

جب وہ یہ جانے اگر میں ذرا بھی اسکے حکم سے سرتابی کروں تو وہ کبھی میری خطا اپنی
عطا سے معاف نہیں کرے گا۔ پس وہ اپنا خیال خدا کی رحمت کی طرف سے اٹھا کے یہ
جانے گا کہ وہ ایسا حاکم ہے کہ عفو کرنے میں اور رضامند ہونے میں نہایت سخت ہے
اسکو وہ یہ جانے گا کہ ایسا دشمن ہے کہ جس میں بے انتہا کی دانائی ہے نہ اسکو کوئی
دہوکا دے سکتا ہے نہ اس سے بہاگ سکتا ہے نہ اس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔
قاعدہ ہے جہاں امید نہیں وہاں سعی نہیں۔ انسان دنیا کے کاموں میں ایسا مصروف
رہتا ہے کہ وہ خدا کی ایسی طاعت و اطاعت نہیں کر سکتا کہ جس میں کبھی قصور نہ ہو پس اگر
خدا کی بخشائش کی امید بندہ کو نہ ہو تو یہ ناامیدی انسان کا قدرتی تنزل ایک گناہ
سے دوسرے گناہ کی طرف کرتی چلی جائے گی۔ امید بخشائش ہی تو بندہ کو نیکی
کی راہ پہ لے جاتی ہے۔ جس وقت ہوا و نفسانی کا جوش فرو ہو جاتا ہے تو انسان کو پھر
از سر نو یہ امید تقویت دیتی اور جن دشواریوں نے اسے مایوس کیا تھا اور جن غلطیوں
نے حیران کیا تھا ان کے دور کرنے کے لیے مستقل اور مضبوط بناتی ہے۔
وہ ازمنہ اور سرزمینیں کہ کسی طرح کا تعلق اتصال کا نہیں رکھتے اور کبھی ان میں تکلم
و ترسل نہیں ہوا۔ تجارت کا باب آئین وا نہیں ہوا۔ وہ سب اس میں متفق علیہ ہیں کہ
گناہوں کا کفارہ اس خوف کے سبب سے دیا جائے کہ گناہوں کی سزا سے نجات ہو۔ یقین
ہے کہ اس کفارہ دینے سے خدا راضی ہو جائے گا۔ جو شخص اپنے گناہ کی سزاؤں کا اندازہ
کرتا ہے وہ کفارہ کی تکلیفوں کو ان کے مقابلہ میں ہیچ جانتا ہے۔
(۳) انسان بالطبع اپنے تئیں اچھا جانتا ہے اپنی زشت افعالی کو چھپاتا ہے۔ اپنی بری
خطاؤں کو چھوٹا جانتا ہے اور ان کے لئے معذرت کرتا ہے۔ اور ان چیزوں میں مصروف
رہتا ہے جو اسکو خوش کرتی ہیں۔ اپنی شہوت پرستی میں دیوانہ بنا تا ہے گو اسکی پیروی میں
ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائے۔ پس وہ توبہ کی طرف خیال نہیں کرتا۔ اور رنج اور قلق اور

اور ندامت - یا اُسکا ناپسند نہیں کرتا گو وہ توبہ — اجزا نہیں — ملازم ہیں

مصنفونکی تحریر و تقریر میں فرق

مصنفوں کی تحریر اور تقریر میں اور اُن کے قول و فعل میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے۔ ملٹن نے
ایک اجنبی فاضل کو جو اوس کی ملاقات کے لئے آیا تھا یہ لکھا کہ میں بہت اپنے تئیں
مبارکباد دیتا ہوں کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ ملاقات میں وہی اچھی خصلت
دکھائی جو میری تھی اور جو میری تصنیفات نے مشہور کر رکھی ہے۔ اکثر مصنفوں کی صفات
ستودہ اور خصائل محمودہ کا خیال جو تصنیفات سے پیدا ہوتا ہے وہ اُن کے حالات کے
دریافت کرنے سے ایسا جاتا رہتا ہے جیسا بلبلہ پانی کا چمکتا ہوا ہاتھ لگانے سے
جیسے بعض مشرقی بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ عوام الناس سے گو باتیں نہیں کرتے لیکن اپنے
احکام سے رعایا کو اپنے حال سے آگاہی دیتے ہیں ایسے ہی مصنفوں کو بھی ان فرمانروایوں
کا سا حال بنانا چاہئے۔ کیونکہ کوئی شخص ان آدمیوں سے کچھ سیکھنا نہیں چاہتا جن کو
وہ جانتا ہے کہ مجھ جیسی حماقت اور ضعف اُنمیں ہے مصنف کے گھر میں اگر کوئی شخص
دفعۃً گھس جائے تو اُس کا حال ایسا ہی پائے گا جیسا کہ محلوں میں داخل ہونے سے
بادشاہوں کا حال دیکھے گا کہ نہ وہ کوئی قانون پر مباحثہ کرتے ہیں نہ سپاہ کی اصلاح
کرتے ہیں عورتوں کے ساتھ دل بہلا رہے ہیں اور اُن پر حکم چلا رہے ہیں۔ اس کی
بہت سی وجوہ ہیں کہ ایک شخص کی تحریر میں اقوال اُسکی زندگی کے افعال سے اچھے
ہوں۔ پاک خیالات میں داخل ہونے کے بغیر کوئی منصوبہ باندھنا تو آسان ہے مگر اسکا
کرنا مشکل ہے جب ایک شخص زندگی بسر کرنے کی تدبیر بتاتا ہے تو نہ اوسکو کوئی امید
اکساتی ہے نہ کوئی خوف ڈراتا ہے نہ کوئی خواہش نفسانی محرک ہوتی ہے وہ اُن سب
باتوں سے الگ ہو کر اسطرح سکھاتا ہے جیسے کوئی زمین پر علم جہازرانی سکھاتا ہو جبکہ
نزدیک سمندر خاموش ہے اور ہوا موافق چل رہی ہے معلوم رہے [illegible] جاتا ہے

اگر جو شخص بڑی سرگرمی سے نصیحت کرتا ہے مگر اوس کی تعمیل میں خود غفلت کرتا ہے تو اوسکو لوگ مکار
ریاکار کہتے ہیں ـــ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بالکل نفس امارہ پر فرمانروائی کے فوائد
سے خوب آگاہ ہو۔ اور اُن کے بیان کرنے میں بے ریا ہو مگر ابھی تک وہ اپنے نفس امارہ پر
کامل فتحیاب ہوا ہو۔ جیسے کوئی شخص سفر بحری کے فوائد پر مطلع ہو۔ گو اوس نے خود
بحر میں سفر نکیا ہو۔ وہ اور لوگوں کو اس سفر کی ترغیب دے گو خود نہ کرے تو اس میں کیا
گناہ ہے۔ ان اقوال و افعال کی نقیض بتلانے سے اُس گروہ کا بڑا مطلب نکلتا ہے جنہوں نے
اپنے اطوار کی اصلاح کے لئے دل کو بہتر بنا لیا ہے وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ خود را فضیحت
دیگراں را نصیحت۔ جو ہم کو حکم کرنے کے لئے دیتے ہیں وہ خود نہیں کرتے۔ فقط مذہبی اور
اخلاقی مسائل ہیں وہ رایوں کا فیصلہ اعمال سے کرتے ہیں جس مصنف کے افعال مطابق
اقوال کے نہیں پاتے اوس کو الزام لگاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ خود جن معاملات
دنیوی کا فیصلہ اپنی رائے سے کر چکے ہیں اوسکے برخلاف کتنے کام کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے
کہ جو نیکی کے حامی ہیں اُن کے چال چلن سے نیکی کے احکام میں کچھ کمی و بیشی نہیں ہو سکتی
دلیل سے دلیل ضعیف ہوتی ہے مگر اوس کا زور کچھ اس سے کم نہیں ہوتا کہ جو شخص اوسکو
پیش کرتا ہے وہ اوس کے یقین کو خود ظاہر نہیں کر سکتا +

یہ تعصب خواہ کیسا ہی بے دلیل ہو ہمیشہ پھیلا رہے گا۔ اسلئے جو نیکی کے سکھانے والے
ہیں وہ اوس کا خیال رکھیں تاکہ وہ اپنی تفہیم و تدریس کے اثروں کو نہ روکیں جب آدمی
یہ چاہے کہ میں اوروں کو ایک بات پر یقین کراؤں تو اوس کو ثابت کرنا چاہئے کہ میں خود
اس کا یقین کرتا ہوں اور جو کسی نیکی کے دلیل بیان کرتا ہوں اپنے تئیں اسکی مثال
بنا کر اس کا ممکن ہونا خود دکھلاتا ہوں اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اوس کو یہ ضرور کرنا چاہئے
کہ وہ اس نیکی کو اوروں سے کم نہ کرے اسلئے کہ وہ اوسکو اچھی طرح تحریر کرتا ہے۔ اور ہرگز
وہ یہ نہ خیال کرے کہ میں جو نیکی کی وجوہ بیان کرنے میں ذہانت خرچ کرتا ہوں اوس سے

میں مستحق اس کا ہو گیا ہوں کہ ادنے درجہ کے ادمیوں سے بھی زیادہ اس نیکی کے کرنے میں غفلت کروں علوم طبیعہ کی تحقیقات میں ایک چیز کی حد غایت لکھی جاتی ہے ایسے ہی علم اخلاق میں ہم ایک نیکی کی قطعی خوبی کو اپنے آگے رکھتے ہیں اور اوس کی بلندی کی جو حد غایت ہے دیکھتے ہیں اور اس پر چڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر کبھی اس کی چوٹی تک پہنچتے نہیں بعض آدمی اسی لئے اپنے تقدس کو جو مذہب کی پابندی سے ہوتا ہے مخفی رکھتے ہیں تاکہ مذہب کے خلاف کام کرنے سے کوئی بڑی شرمندگی نہ اوٹھانی پڑے جس سے مذہب کی اہانت ہو۔ پس اسی طرح مصنف کو چاہیے کہ وہ اپنی تصنیفات کے اقوال کو اپنے افعال سے جب تک ثابت نہ کرسکے تو اپنا نام نہ لکھے اور یوں اپنے تئیں مخفی رکھے بعض مصنفوں کا مطلب برائی کی اہانت سے ہوتا ہے نہ نیکی کی عظمت سے بلکہ فقط اپنی لیاقت اور استعداد کی ترقی اور اپنی ذہانت و ذکاوت اور قوت بیان و قدرت زبان کا دکھانا منظور ہوتا ہے اون کو کچھہ اپنی راے اور فیصلہ کی صداقت کا اظہار منظور نہیں ہوتا ایسی تصنیفات تعریف کے قابل ہوتی ہیں مگر مصنفوں کی صحبت نفرت کے قابل۔

اکثر آدمی اس عمر میں علم حاصل کرتے ہیں جس میں اخلاق و اوضاع و اطوار خوب درست و مہذب کرسکتے ہیں مگر جب اون کو علم اتنا حاصل ہوجاتا ہے کہ لوگ اون کی تعظیم و تکریم کرنے لگتے ہیں تو وہ ان خفیف کاموں کو چھوڑ دیتے ہیں جن سے وہ خوش ہوتے تھے۔ پھر جب وہ جوان ہوتے ہیں اگر اون کا مزاج نرم ہوتا ہے تو اپنے عیبوں اور نقصوں کو دیکھہ کر شرماتے ہیں اور اگر مزاج میں اولعزمی ہوتی ہے تو اپنی لیاقت پر پھولتے ہیں اور اوروں سے مباحثہ پر سرگرم ہوتے ہیں اور اپنی فتحیابی کے لئے جلدی کرتے ہیں اکثر ایسے آدمیوں کی تقریر سنجھہ جاتی ہے۔ اور خوبیاں اس میں پیدا ہوجاتی ہیں مگر تصنیفات کے لئے جو خوبیاں درکار ہیں اون میں وہ کامیاب نہیں ہوتے اور بعض آدمی اپنے مطالعہ کو تصنیفات کے لئے جاری رکھتے ہیں اور وہ خوبیاں پیدا کرتے ہیں جو تصنیف میں ہونی چاہیے۔ ایسے مصنفوں سے

باتیں کرنی اور تصنیفات کا پڑھنا۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بڑے شہر کو دور سے دیکھ کر ہم اس کے اندر داخل ہوں۔ دور سے اوس کی بڑی بڑی عالی شان عمارات و مکانات اور رفیع برج و مینار دکھائی دیتے تھے مگر جب اوس کے اندر دروازہ سے داخل ہوئے تو تنگ گلیاں و بازار چھوٹے چھوٹے بدریاں اور بہت طرح کی ایسی چیزیں پیش ہوتی ہیں کہ جس سے دل مکدر ہوتا ہے۔ پس ایسے ہی جو اخلاق کی خوبیاں اُن کی تصنیفات سے معلوم ہوئی تھیں وہ اُن کی باتوں سے ملاقات میں نہیں معلوم ہوئیں۔

جسمانی و روحانی خوشی

ایک فرقہ حکما زاہدانہ بڑی شد و مد سے یہ حکم کرتا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی خوشی و مسرت کو خارجی چیزوں کے اثر سے مصیبت نہ بنائے۔ یہ حکم اون کا خواہ کسی رتبے کا ہو مگر اوس پر عمل کرنا انسان کی شرط زندگی کے خلاف ہے۔ دانشمند آدمی سے ممکن نہیں کہ وہ اپنے جسمانی رنج و راحت کو بالکل اپنے سے دور کر دے۔ اسی وجہ سے دوسرا فرقہ حکما اس حکم کو بے دلیل و نامعقول بتاتا ہے۔ ہر لحظہ و لمحہ و ساعت کا تجربہ اوسکو غلط ثابت کرتا ہے۔ اور لگاتار تجربہ اوسکے بالکل برخلاف شہادت دیتے ہیں۔ اب ہم کو تحقیق کرنا ہے کہ پہلا حکم جو اعلیٰ درجہ کا ہے اوس کی تعمیل کرنے کی قدرت ہم میں کہاں تک ہے اور کس حد تک ہم خارجی چیزوں سے ایسا اجتناب کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دل پر اثر نہ کریں اور ہماری عافیت میں خلل نہ ڈالیں گو بالکل اوس سے آزادی کی شیخی مارنی ہنسی کے قابل ہے گر جسمانی آرام کا مغلوب ہو جانا اور جس طرف وہ موڑیں مڑ جانا دل بعید ہے خواہ وہ کیسا ہی ضعیف اور محروم ہو۔

ماضی و استقبال کے خیالات

اس عالم میں یہ بڑے بڑے مادی کرے پھرتے ہوئے جو ہم دیکھتے ہیں اُن میں سے سخت سے سخت کرہ میں اتنے مسامات ہیں کہ اگر اون کو دبا کر کامل سخت جسم بنایا جاوے تو

وہ چند مکعب فیٹ میں سما جائیں اسی طرح اگر زندگی کے تمام کام جمع کئے جائیں تو وہ چند ہفتے یا دن یا گھنٹے ہونگے جن میں دل اُن کے کرنے میں مصروف رہا ہوگا۔ ہمارے جسمانی و روحانی کاموں میں ایسی نامساوات ہے جو ہم دل میں لمحوں میں سوچتے ہیں وہ برسوں میں کرتے ہیں۔ اور روح ہماری بے کار رہ کر ہمارے ہاتھوں اور پاؤں کی محنت کو دیکھتی ہے ہمارے سب کاموں کی اصل ہمارے نفس میں ہوتی ہے اسلئے اپنے خیالات کو خراب کرنا گویا سرچشمہ اخلاق کو زہریلا بنانا ہے اسلئے بعض اہل اخلاق نے لکھا ہے کہ جیسا بُرا کام کرنا گناہ ہے ایسا ہی بُرا خیال کرنا گناہ ہے۔ نکوکاری کی بڑی حفاظت یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ اپنے خیالات کی بڑی حفاظت کرتا ہے۔ جب خیالات میں بُرائی آنی شروع ہو تو اوسی وقت سے دوا کے درپے ہو۔ گذشتہ کی یاد آیندہ کے لئے بکارآمد ہوتی ہے —

فیثاغورث کا قول ہے کہ آدمی جب تک سوئے نہیں وہ روز گذشتہ کے سب کاموں میں اول کام سے لیکر اس طرح خیال کرے کہ کس جگہہ میں اپنے استقلال سے باز رہا۔ کونسی باتیں مجھے کرنی چاہیے تہیں وہ نہیں کیں اور پھر اپنے اچھے کاموں سے خوش اور بُرے کاموں سے رنجیدہ ہو نیک آدمیوں کے دلوں میں بھی بُرے خیالات آتے ہیں۔ مگر وہ یونہیں چلے جاتے ہیں ان سے کوئی دھبا اور داغ دل پر نہیں لگا جاتے ہیں۔ ماضی اور حال کے خیالات میں وہ دشواریاں نہیں جو آیندہ کے خیالات میں پیش آتی ہیں کیونکہ خوف و رجا آیندہ کے خیالات پر موقوف ہوتے ہیں اسکی کوئی حد نہیں مقرر ہوتی۔ انہیں بے شمار واقعات کا خیال کرسکتے ہیں اور وہ اپنی بنا پر موقوف ہیں۔ ہر چیز کے حاصل ہونے کا خیال کرلینا بہ نسبت حاصل کرنیکے بہت آسان ہے جو آدمی اپنے کاموں کو نیکی کا پابند کرنا چاہتے ہیں اُنکو چاہئے کہ ہمیشہ خیالات وہ کیا کریں جو عقل کے موافق ہوں اور خوب سمجھہ لیں کہ دلمیں خباثت کے خیالات کا بسانا بُرے کام کرائے بغیر نہیں رہیگا +

علمی اور ملکی کاموں میں ایک سے خطرات ہیں

ہر شخص کو اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے اسلئے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بعض صفات

ایسی ہیں کہ وہ اور بنی آدم سے نوع میں یا درجہ عزت میں اچھی ہیں۔ اپنے ظاہری عیبوں کے
پلڑے کو اپنی مخفی خوبیوں کے پلڑے سے ہلکا خیال کرتا ہے۔ جو علم دوست آدمیوں کا فرقہ کہ
وہ اپنے تئیں خوش حال ان مدبران ملکی سے جانتا ہے جو ہمیشہ معاملات ملکی کی افکار
میں مبتلا رہتے ہیں اور اوسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کے عہدے بڑی محنتوں
و مشقتوں اور جوکھوں کے اٹھانے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور پھر ان میں استقلال
نہیں ہوتا۔ اور اپنی اس بات پر پھولتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ ہتیار ہیں کہ جو کبھی کند
نہیں ہوتے اور کسی حکمت اور دشمن کی قوت سے وہ چھن نہیں سکتے۔ ہندوستان
میں ہاتھیوں کو لڑنا سکھاتے تھے جو میدان جنگ میں دشمنوں کو پامال کرتے تھے لیکن اگر
دشمن ان کے اول حملہ کی برداشت کر جاتا تو پھر ان کو آسانی سے ایسا بھگا دیتا کہ اپنے
ہی لشکر کو وہ روند ڈالتے تھے۔ پس ان ہاتھیوں کا سا حال اوس کی دلیل کا ہے
کہ جیسی وہ مدبران ملکی پر حملہ آور ہوتی ہے ایسی اہل علم پر۔ علم کا حاصل ہونا اور اس سے
نامور اور مشہور ہونا ایسا ہی نا محقق ہے جیسا کہ میدان جنگ میں کامیاب ہونا یا ملک کی
فرمانروائی میں سرافراز ہونا اور تدابیر ملکی میں کامیاب ہونا۔ علم میں بزرگی حاصل ہونے
کے واسطے وہی محنت و مشقت چاہیے جو اور معاملات ملکی میں ہر چیز کی بزرگی اور اوسکی
تحصیل کی دشواری اور محنت کے متناسب ہوتی ہے۔ علم و ذہانت کے عالم میں جن
لوگوں کی عزت اور بزرگی پائی جاتی ہے۔ ان کی آرزوئیں وہی ہوتی ہیں جو اور قسم
کے جلیل القدر آدمیوں کی ہوتی ہیں کہ اپنے حریفوں اور رقیبوں کو زیر کرنا۔ اور انکی
بزرگی کو اپنی بزرگی کے مقابل میں کمتر کر دینا۔ کسی کو اپنی برابر نہ ہونے دینا۔ پھر اپنی
ان آرزوؤں کے پورا کرنے کے واسطے ذلیل اور رذیل وسائل اور حکمتوں کو کام
میں لانا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی علم میں برتری بغیر اوس کے کہ وہ زیادہ دانا یا نیک
ان لوگوں سے ہو جنکی جہالت کی وہ حقارت کرتا ہے کہاں تک حاصل کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے ۔ اہل علم کی خوشی کی عمارت جس بنیاد پر قائم ہوتی ہے ۔ اس کا بھی استحکام ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کے مخالف مدبران ملکی کا ۔ علم کے میدان کے جو غازی ہیں انکو وہی آفتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں جو میدان جنگ کے مدبران ملکی کو ۔ اور ان دونوں ایکساں حصہ ہوتا ہے اور اُن کو اپنی حفاظت ان ہاتھوں سے یکساں کرنی پڑتی ہیں جو اُن کے برباد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں ۔ ہاں اہل علم کو یہ امید زیادہ ہوتی ہے کہ اُن کی ناموری کی بقا عرصہ دراز تک رہے گی اور حادثات کے ہاتھ سے بچی رہے گی یہ امید بھی اُن کی بیجا ہے ۔ اسلئے تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے بڑے بڑے مصنف اور اہل علم گذرے ہیں کہ نہ جنکی تصنیف کا پتا ہے نہ نام کا فقط یہ معلوم ہے کہ کبھی اونکا وجود تھا ۔ اگر علم کی شہرت پر خیال کریں تو وہ ایک امر ناتحقیق ہے تصنیفات کی شہرت بھی عجب عجب طرح سے ہوجاتی ہے ۔ کبھی عوام کی جہالت سے کبھی امرا کی عنایت سے کبھی اوسکی جدید ہونے سے ۔ ایسے ہی یہ شہرت کے گھٹ جانے کی صورتیں ہوتی ہیں ۔ مختلف مصنفوں کی تصنیفات کی شہرت کی نسبت فقط یہ امر نہیں ہے بلکہ ایک ہی مصنف کی تصنیفات کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب اوسکی بہت جگہہ مشہور ہوجاتی ہے ۔ دوسری کتاب کو اوسکی پوچھتا نہیں ۔ مصنف جو بعض ایسے کاموں کو اختیار کرتے ہیں جنسے اُن کی شہرت مٹ جاتی ہے ۔ اس کا سبب اُن کی بیوقوفی نہیں ہوتی بلکہ بدنصیبی و کم بختی ۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ مصنفوں کو علمی اور ذکاوت کی کتابیں ایسے آدمیوں کی فرمائش و ہدایت کے موافق لکھنی پڑتی ہیں کہ جو اُن کو انعام و اکرام دیتے ہیں ۔ مصنف اپنی پسند سے کوئی مضمون اس کتاب کے لئے نہیں تجویز کرتا ہے بلکہ مجبوری اپنے ولی نعمت کی مرضی کے موافق مضمون پسند کرنا پڑتا ہے اس میں وہ آسانی ملحوظ خاطر نہیں رکھتا اور نہ اس مضمون کا علم پہلے سے ہوتا ہے نہ مطالعہ جو اوس کے لئے ضروری ہے وہ رکھتا ہے نہ اتنی مہلت اور فرصت اوسکو ملتی ہے جو اوسکی تحریر کے لئے چاہئے ہے +

ذکی اور عالم ہونے کا بڑا نتیجہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے اُس سے امرا اور سلاطین کے ساتھہ تقرب کی تقریب ہو جائے۔ جب کسی عالم کو اوس پر فخر ہو کہ وہ ایسے امراسے اتحاد رکھتا ہے جن کو اپنی نسب پر یا دولت پر یا اپنی بلند مرتبگی پر گھمنڈ ہے تو وہ ضرور اوس کی مرضی کا تابع اپنی مطالعہ علمی میں ہوگا۔ اور اپنے علم کو اپنی مطلب برآری اور ان کے دل بہلانے میں صرف کریگا۔ وہ جن کو خوش کرکے اپنے اوپر مہربان کرنا چاہتا ہے اور جنکی عنایت کو وہ اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے وہ کسی کتاب کی فرمائش کرینگے۔ اوسکو تصنیف کرنے ہو بیٹھے اور کچھہ اپنی لیاقت پر خیال نہ کریگا کہ اس کتاب کی تصنیف کی ہے یا نہیں +

بعض دفعہ مصنفوں کو گو کسی امر کے بہت سلا کی پروا نہیں ہوتی بلکہ خود اُن کے دماغ میں یہ خبط سما جاتا ہے کہ ہم ہر قسم کی انشا پردازی کے قابل ہیں اور مجبور ہوکے مختلف مذاق کے موافق رنگارنگ کے مضامین لکھہ سکتے ہیں۔ اکثر یہ خبط پیرانہ سالی میں زیادہ ہوتا ہے کہ جب ان مضامین کے پورا کرنے کے لئے فرصت نہیں ملتی چند ہفتے کے بعد خود اُن کو موت آجاتی اور نئی نسل کو اُن کے قائم مقام بننے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے

ہم اپنی تصنیفات کے دیکھنے میں اپنے بہت سے تعصبات کے سبب اندھے ہوجاتے ہیں مصنف اپنی جوانی کی تحریرات کو دیکھہ کے اسلئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اونکی نوجوانی کی لیاقت یاد دلاتی ہے۔ بڑی عمر کی تصنیفات کی قدر اسلئے کرتے ہیں کہ اس خیال کو ناجائز جانتے ہیں کہ اونہوں نے ترقی نہیں کی۔ جو کچھہ اُن کی قلم سے بآسانی و بے ساختہ نکلتا ہے اوسکو وہ سمجھتے ہیں کہ سحر کا سا اثر کرتا ہے اور اُس کو بڑی خوشی سے اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ وہ اُن کی رائے اور استعداد اور قابلیت کی خوشامد کرتا ہے۔ اور جو کچھہ محنت و مشقت اور خون جگر کھا کر لکھتے ہیں اُس کو وہ مردود نہیں بناتے تاکہ اُن کی محنت شاقہ اکارت نہ جائے۔ لیکن پڑھنے والوں کے دل میں پہلے سے یہ خیالات نہیں ہوتے اسلئے انکو تعجب ہوتا ہے کہ مصنف کی تصنیفات کیوں اُن سے غیر مشابہ ہے۔ مگر وہ یہ نہیں

خیال کرتے کہ ایک ہی زمین میں مختلف طرح کے تردد کرنے سے مختلف طرح کا پیداوار ہو

(۲) جب کوئی عالی جاہ بادشاہ مرتا ہے تو اُس کے قائم مقام پر بار سلطنت اُٹھانا اتنا ہی دشوار ہوتا ہے جتنا پہلا بادشاہ اچھا ہوتا ہے بڑی مصیبت اوس کو پیش آتی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش سے کوئی کام کرے وہ پہلے بادشاہوں کے کاموں کے آگے کچھہ وقعت نہیں رکھتا- اس طرح جب مصنف کسی بڑے مصنف کا جانشین ہوتا ہے تو اُس کو دقتیں پیش آتی ہیں کہ خواہ یہ کتنی ہی جان ماریں مگر وہ پہلے مصنف کے آگے چمکتے نہیں- باغ کے تمام پھل پھول وہ پہلا ہی مصنف توڑ کر لے گیا ہے فقط درختوں کا سایہ اُن کے لئے چھوڑ گیا ہے جسکے اندر کوئی پڑا پڑا ایسا ویسا پھل اُس کو ہاتھ لگ جاتا ہے-

جبن و تہورا و رفضائل کی افراط تفریط

بعض غلطیاں اور خطائیں ایسی ہوتی ہیں کہ کرنے والوں کے حق میں زہر ہوتی ہیں مگر انسانوں نے علی العموم ان کو مان رکھا ہے کہ کچھہ قدر اُن کی کی جائے- اور اُن کرنے والوں کی بدنامی نہ کیجائے اُس کی ایک مثال تہور اور جبن ہیں جو شجاعت سے جو اُن کے عین وسط میں ہے- برابر فاصلہ رکھتے ہیں نقصان دونو سے یکساں ہوتا ہے- مگر اُن میں سے تہور کا بیان ایک قسم کی تعظیم و ادب کے ساتھہ ہوتا ہے اور جبن کا ذکر نفرت وحقارت اور مذمت کے ساتھہ- یہی حال اسراف اور طمع کا اور اور مقابل رذائل کا ہے کہ ایک بُرائی کا بیان ادب کے ساتھہ کیا جاتا ہے اور دوسرے کا نفرت کے ساتھہ- تفریط کی حقارت اور افراط کی عزت کی جاتی ہے- اس افراط کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں اوسط داخل ہوتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ ہر فضول چیز کا دور کرنا نقصان کے پورا کرنے سے بہت آسان ہے- پس جو نیکی متوسط سے گذر گئی ہے اُس سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ پھر اُس پر عود کرے لیکن جو اس حد تک پہنچی نہیں اُسکی کامیابی کی امید مشکل ہے- ایک صورت میں جو کمال چاہئے موجود ہے- بلکہ اس سے کچھہ زیادہ دوسری صورت میں

کمال تک پہنچنے میں نقص دی ہے۔ جو گھوڑا ایسا تیز رو ہو کہ وہ اپنے ساتھہ گھوڑوں سے آگے
بڑھ جائے اس سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ ٹھہر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھہ چلنے لگے۔ مگر جو گھوڑا ایسا آہستہ
چل ہی نہیں سکتا اور پیچھے رہ گیا ہو وہ تیز دوڑ کر اپنے ساتھیوں سے نہیں مل سکتا۔ ایک بڑا
درخت کلہاڑی سے چھانٹنے سے جھاڑی کی برابر بن سکتا ہے مگر جھاڑ میں اس درخت کی
برابر نہیں ہو سکتی۔

گھر میں خوشی و رنج زیادہ تر آدمی کو ہوتے ہیں

اہل کیمیا کا یہ قول سچا ہے کہ چند عناصر کی ترکیب پانے سے دنیا کے ساری چیزیں بنی ہیں
ان میں سے جس چیز کو چاہو عناصر میں تحلیل کر لو۔ پس اسی طرح انسان کی زندگی چند رنجوں
اور چند خوشیوں سے مرکب ہے۔ اور ان میں سے ایک حصہ تو مشیت ایزدی سے ہمارے لئے مقرر ہے
اور باقی حصہ انسان کی خود پسندی اور عقل مقرر کرتی ہے۔ آدمیوں میں جو خوش مزاج
ہیں وہ خوش حال ہیں اور جو بد مزاج ہیں وہ بدحال ہیں بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوتے
ہیں کہ جن کا رشتہ حیات مہمات عظیم سے اور میدان جنگ کی کار ہائے نمایاں سے اور سپاہیوں
کی سپہ سالاری سے اور قوموں کی سرداری سے متعلق ہو۔ ایسے بزرگوں کا بھی بڑا
حصہ زندگی کا اپنے گھر کے کاموں سے متعلق ہوتا ہے۔ ان کو خوشی و رنج کے معاملات زیادہ تر
گھر ہی میں پیش آتے ہیں۔ جمہور انام کے کاموں کے لئے وہ اپنے گھر ہی کے کاموں کے لئے
تحمل کرتے ہیں پلینی کا یہ قول سچ ہے کہ جن کاموں کی طرف ہماری توجہ ہوتی ہے
ان میں جو زیادہ شان و شکوہ کے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بڑے نہیں ہوتے۔ خارجی اور اتفاقی
حالات سے جو ناموری اور شہرت ہوتی ہے جس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے وہ نیکی اور سچائی
سے علیحدہ ہوتے ہیں عالی مرتبگی اور خوش نصیبی۔ کاموں کی تاثیرات عظیم یہ سب مل کر خلائق
کی نگاہ میں بزرگی پیدا کرتی ہیں۔ مگر استقلال و ثبات حلم و صبر بغیر اپنے تئیں دکھلانے کے
ہجوم کار میں گذر جاتے ہیں۔ اور بڑی قوت اور استقلال سے مصیبت اٹھانے

اور کام کرتے ہیں مگر ان پر کوئی رحم کرتا ہے نہ ان کی تعریف کرتا ہے۔ غرض یہ حال سب کا
ہے کچھ ان لوگوں کا نہیں جنکے کاموں کو سب دیکھتا اور سنتے ہیں ہزاروں آلام انسان کے
دلوں پر چپ چاپ حملے کرتے ہیں اور وہ بے شمار صدمے پہنچاتے ہیں۔ کہ وہ مُنہ سے
اُف نہیں کرتے۔ علیٰ ہذا القیاس ہماری خوشیاں ہیں جو چپ چاپ ہمارے دلوں کو خوش
کرتی ہیں۔ دل میں بہت سی آرزوئیں آتی ہیں جنکا اظہار کبھی نہیں ہوتا اور اُن سے ہماری
اوقات تنہائی میں خوشی سے بسر ہو جاتی ہیں +

غرض انسان کی خوشیاں اور رنج ان باتوں میں ہوتی ہیں۔ بہت چھوٹے چھوٹے کاموں
اور واقعات میں اور ایسی آرزوؤں میں جو دیر پا نہیں ہوتیں ایسی مایوسیوں میں جو قابل
نہیں ہوتیں۔ ایسے چھوٹے جانوروں کے کاٹنے میں جو ڈنک مارتے ہیں اور ایسی گستاخیوں
میں جو ان کے گرد تھوڑی دیر بھن بھناتی ہیں اور پھر سننے میں نہیں آتیں۔ ایسی خوشیوں
میں جو شہاب ثاقب کی طرح جلوہ دکھا کے غائب ہو جاتی ہیں اور ایسی شکر گذاری موج
راگ کی طرح اور سر اثر ہوا اور پھر اُتر گیا اور نوشاکر و مشکور شکر کو بھول گئے۔ غرض انسان کی بڑی
دانائی یہ ہے کہ آدمی اُن گھنٹوں میں خوش رہے کہ جنپر شوکت و عظمت کا ملمع نہیں کر سکتا
جن کو شان و نمود کا زیور نہیں پہنا سکتا اور کسی اور بڑائی کا بہروپ اُن کا بنا سکتا ہے۔ گھر غرض شریف
رسیا انسان کے تمام کاموں کا مآل ہوتا ہے وہ ایسے چین اور آرام کے لیے محنتیں اور
مشقتیں اُٹھاتا ہے اور مہمات عظیم کو اختیار کرتا ہے +

گھر ہی کے آدمی انسان کی نیکی اور راحت کا ٹھیک تخمینہ کر سکتے ہیں یہاں اُس کو اپنی
نمود منظور نہیں ہوتی جو وہ جھوٹی فیاضی اور طمع کی عزت دکھائے۔ سوا اپنے گھر کے
اوروں کے گھروں میں سلسلہ وار مکر و ریا اور بڑے کاموں کو اچھے پیرایہ میں ظاہر کرنا
پڑتا ہے۔ گھر ہی میں آدمی اپنا چال چلن جیسا ہے ویسا دکھاتا ہے پھر روک ٹوک اس کے
لیے نہیں ہوتی۔ جو اُس کے دل میں آتا ہے وہ کرتا ہے اسلیئے اُس کے خصائل کے شاہد صادق

اہل خانہ ہی ہوسکتی ہیں جو شخص اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہے وہ حقیقت میں اچھا ہے کوئی ریاکاری اور مکاری اس میں نہیں ہے۔

جس آدمی کی تعریف اوس کے نوکر کریں وہ نیک ہوگا۔ اسلیئے کہ نوکر اپنے آقا کے تمام کاموں اور اسرار سے واقف ہوتے ہیں وہ اُن سے اپنی برائی بھلائی کا پردہ اُن سے نہیں کرسکتا۔

غلامی

یہ سارا مضمون مغربی خیالات کے موافق لکھا گیا ہے

غلامی کا مضمون بہت پیرایوں میں بیان ہوسکتا ہے ایک پیرایہ اسکا تاریخی ہے جس میں بیان کیا جائے کہ غلامی کی ابتدا کیونکر ہوئی دنیا میں ساری قوموں کے دلوں میں اُس کی جڑیں کیونکر لگیں اُن کی شاخیں کیا کیا ہوئیں اُن میں برگ و بار کیسے لگے کیسی اُنپر بہار و خزاں آئی۔ ترقی تنزل ہوا۔ کیا کیا غلامی کی بوقلمونی نے اپنے رنگ دکھائے کیا کیا قوانین آئین دستور مقرر ہوئے۔ کیا کیا انمیں ترمیمیں اور اصلاحیں ہوئیں۔ بالفعل جو اس پر نزع کی حالت طاری ہورہی ہے وہ کیونکر ہوئی۔ دوسرا پیرایہ پولیٹکل اکونومی کا (سیاست مدن) کا ہی جو بڑا عظیم الشان ہے اس میں یہ بتلایا جائے کہ غلامی نے قومی معاملات پر کیا اثر کیا اور اُسکا اثر بہبودی اقوام پر کیا پڑا۔ تیسرا یہ کہ غلامی نے کیا کیا ظلم و ستم انسان سے انسان پر کرائے۔ چوتھا غلامی ایک نکمی اور بے ضرورت شئی ہے اُس سے انسان کا کام کوئی بھلا نہیں ہوتا۔ پانچواں یہ کہ غلامی کے باب میں احکام مذہبی کیا ہیں چھٹا یہ کہ کسی قوم کے ساتھ یہ امر مخصوص نہیں ہوسکتا کہ وہ غلام ہی بنائی جائے سب قومیں غلامی کے لحاظ سے ایک حکم رکھتی ہیں۔ ساتواں دنیا سے غلامی ایسی مٹنی چاہیئے کہ اُس کا نام باقی نہ رہے۔ اگر ان سب باتوں کا مفصل حال بیان کروں تو معلوم نہیں کہ مجھے غلاموں کی طرح بیگار میں کتنی مدت تک مشقت شاقہ اُٹھانی پڑے اسلیئے جہانتک ممکن ہے میں انکا مختصر بیان کرونگا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وہ رومیوں کے ہاں نہ تہا۔ مشرق میں اس کا کچھ اور رنگ تھا مغرب میں کچھ اور ڈہنگ تہا جب نئی دنیا (امریکہ) دریافت ہوئی تو اُس نے پرانی دُنیا سے اس نئی دنیا میں اپنا نرالا ہی ایک اور رنگ دکھایا جو پہلے کبھی نہ دکھایا تھا +

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا آغاز غالبًا اس طرح ہوا کہ جب لڑائی میں دشمن گرفتار ہوئے تو وحشی قوموں نے اُن کے مارنے میں اپنا فائدہ اتنا نہ جانا جتنا اُن کو غلام بناکر رکھنے میں یہودیوں کو قانونًا اپنی قوم کے اور غیر قوموں کے غلام بنانے کی اجازت تھی۔ ان کی اپنی قوم کے غلام اکثر وہ ہوتے تھے جنکا دوالہ قرضہ کے سبب سے نکل جاتا تہا یا وہ افلاس کے سبب سے اپنے تئیں کسی شخص کے ہاتھ بیچ ڈالتا تہا یا چور جو چوری کا تاوان اور جرمانہ دیکر اپنے تئیں چھڑا سکتا تھا تو وہ غلام بنایا جاتا تھا۔ شرعًا یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ اپنے ہم قوم غلاموں کے ساتھ بہ نسبت غیر قوموں کے غلاموں کے نرمی کے ساتھ پیش آئیں۔ وہ اپنے تئیں غلامی سے آزاد کرا سکتے تھے اور اگر آزاد نہ کرائیں تو ابتداء غلامی سے ساتویں سال وہ خود آزاد ہو جاتے تھے۔ سوا اس کے پچاسویں سال تمام عام طور سے غلام آزاد ہو جاتے تھے۔

یونانیوں کے ہاں بھی غلامی کی رسم قدیمی چلی آتی ہے۔ ہومر کی نظم میں اسکا بیان ہے اکثر غلام وہی ہوتے تھے جو میدان جنگ میں اسیر ہوتے تھے اور دوسرے وہ لوگ بھی جو دغا فریب دُزدی سے پکڑ لیتے تھے۔ یونان میں کوئی حکیم بھی ایسا نہ ہوا کہ وہ اصول اخلاق کے اعتبار سے غلامی پر معترض ہوتا۔ ارسطو غلامی کو عین عدالت جانتا تھا کہ انسان مختلف نسل کے ہیں اُن میں تقسیم غلام اور آزاد کی خدا کی طرف سے ہے۔ افلاطون نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ بنانے چاہئیں یونان میں ایک قسم کے غلام وہ تھے جو وہاں کے قدیمی باشندوں کی اولاد تھے اور محکوم اور مغلوب ہو گئے تھے۔ وہ کھیتی کرتے تھے۔ اُنکے آقا زمین اُن کے واسطے مقرر کر دیتے تھے وہ اُس کا لگان دیتے تھے۔ اور اپنے آقاؤں

ساتھ لڑائیوں میں جاتے تھے۔ اُن کے ساتھ بہت نرمی برتی جاتی تھی۔ اُن کا حال ایسا تہا
کہ جیسا زمانہ متوسط میں یعنی سنہ ۴۹۶ سے سنہ ۱۴۹۲ تک میں سرف کا حال تہا۔ یوروپ میں سرف
ایک قسم کے غلام تھے جو اکثر ملکوں کے اصلی باشندوں کی اولاد تھے جنکو اور قوموں نے فتح
کر لیا تھا۔ بعض اُن میں ایسے بھی ہوتے کہ قحط کے سبب سے جنہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا تہا
یا کلیساؤں کو خود لوگوں نے اپنے تئیں حوالہ کر دیا تھا۔ اُن کی حالت مختلف ملکوں میں
مختلف زمانوں میں مختلف طرح کی رہی۔ مگر اُن کے ساتھ ملائمت بہ نسبت غلاموں کے
رومیوں کے قانون کے موافق کی جاتی تھی۔ خاص کر جو زمین کی کاشت میں لگائے جاتے تھے
جب یہ سرف اصلی باشندوں کی اولاد ہوتے تھے اُن کو نیٹو کہتے تھے۔ اسلیئے بعض انگریزی
تعلیم یافتہ نیٹو کہلانے سے چڑتے ہیں سرف کو بعض استحقاق حاصل تھے۔ اگر کوئی آقا کسی
سرف کو جان سے مار ڈالتا تو خون بہا بادشاہ کو دینا پڑتا۔ یا ایسا مارتا کہ آنکھ پھوٹ جاتی یا
کوئی دانت ٹوٹ جاتا تو اُسے آزاد ہونے کا مستحق ہو جاتا۔ وہ دوسرے ملک میں بیچے نہیں جاتے
اور نہ اپنے اہل و عیال سے جدا کئے جاتے بلکہ کسی قدر مال و جائداد بھی رکھنے کے مجاز تھے
گھر کے کام کاج کے واسطے جو غلام خریدے جاتے تھے اُن پر آقاؤں کا سب طرح کا اختیار تہا
تہا۔ اُن کو جب چاہیں بیچ سکتے تھے۔ کورنتھ اور ایتھنز میں اور تجارتی شہروں میں
اُن کی کثرت تہی اور وہ اکثر وحشی قوموں میں سے ہوتے تھے۔ کچھ اُن سے خدمتگاری کا
کام لیا جاتا تہا۔ زیادہ تر نان بائی۔ [illegible] درزی کے یا اور رذیل پیشوں کے کام اُن سے
لیئے جاتے تھے۔ کانیں کھودنے [illegible] صنعت کے کارخانوں میں مزدوری کے لیئے بھیجے جاتے
تھے۔ اور آقا جو روپیہ اُن کے خریدنے میں لگاتا اُسکا سود و نفع اُن کی محنت مزدوری سے
وصول کرتا تہا۔ یہ غلام اکثر زر خرید ہوتے تھے کچھ اُن میں غلاموں کی اولاد بھی ہوتی تھی
جو آقاؤں کے گھر میں پیدا ہوئی تھی۔ غلاموں کو ازدواج کی سخت ممانعت تھی کچھ اسکا سبب تہا کہ
غلاموں کی تعداد لونڈیوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔ یونانیوں کے غلاموں کی تجارت بڑی

ایشیا مائی نر کی اپنی آبادیوں کے ذریعہ سے وسط ایشیا میں ہوتی تھی۔ سوا اس کے غلام اُن کو یوں بھی ہاتھ لگ جاتے تھے کہ اہل تھریس اپنی اولاد کو بیچ ڈالتے تھے رومیوں کے ہاں بھی غلامی تھی مگر اوسکی صورت یونانیوں سے جدا تھی۔ رومی مقنن سمجھتے تھے کہ خدا تعالی نے سب انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے اور غلامی خود نیچر کے قانون کے خلاف ہے مگر قومی قانون کے موافق لڑائی کے اُس قیدی کا جو قتل نہ کیا جاتا اور اُس شخص کا جو اپنے تئیں بیچ ڈالتا غلام بنانا جائز تھا۔

غلامی میں سخت ظلم و ستم تھے

اس زمانہ میں بعض آدمی یہ کہینگے کہ غلامی میں جو ظلم و ستم ہوتا ایسی بدیہی بات ہے کہ جسکے ثبوت کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر آدمیوں کا دل غلامی کی یکطرفہ دلیلوں کے سنتے سنتے ایسا پتھر ہوگیا ہے کہ اگر ہم دوسری طرف کی سچی دلائل بیان بھی کریں گے تو مشکل اثر ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی برائی وسعت کے ساتھ زمانہ دراز تک پھیلی رہتی ہے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اُس کے سب پہلو جو باہر کھلے ہوئے تھے دیکھ لئے ہیں کوئی بات اُس کے اندر ایسی نہیں ہے کہ جس پر غور کریں وہ برائی انسانوں کے دلوں پر ایسی منقش ہوتی ہے کہ اُس کے برخلاف مضمون کو دل میں وہ آنے ہی نہیں دیتی اسلئے ضرور ہے کہ ہم اُس جور و ستم کو بدلائل مفصل بیان کریں تاکہ وہ دلوں پر سے زنگ ضلالت کو صیقل کرے۔

ہم بالفعل یہ نہیں بیان کرتے کہ یہودیوں نے غلاموں کے ساتھ کیا مدارات کا طریقہ برتا مگر یہ ضرور کہینگے کہ عیسائیوں نے جو غلامی کو جائز رکھا اُس کی دلیل وہی تھی جو یہودی اپنی کتب مقدسہ سے بیان کرتے تھے۔

کل یونانی اہل سپارٹا کی نسبت اپنے غلاموں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے مگر دو باتوں میں اُن کے ہاں بڑا جبر قہر تھا۔ اول یہ کہ اُن کے ہاں غلاموں کی تعداد بہ نسبت لونڈیوں کے بہت زیادہ تھی اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اگر لونڈی غلاموں کے ازدواج سے

اولاد پیدا ہوتی اور وہ غلام رکھے جاتے تو اُس کی پرورش کا خرچ بہ نسبت پلے پلائے غلاموں کے خریدنے کے بہت زیادہ ہوتا۔ اسطرح غلاموں کو ازدواج سے محروم کرنا بڑا ظلم تھا۔ دوم غلاموں سے شہادت بڑی اذیتیں اور تکلیفیں دے دے کر لیجاتی تھیں کاموں میں جو غلام کام کرتے تھے اُن کے پاؤں میں زنجیریں پڑی رہتی تھیں اسلئے اکثر ایں سے مرجاتے تھے۔

رومیوں کے ظلم کی تفصیل بلیر صاحب بیان کرتے ہیں کہ قانون کے موافق آقا کو غلاموں پر اختیار بے انتہا تھا اور وہ اوس کو کام میں لاتے تھے۔ ادنیٰ ادنیٰ ناراضی پر غلام کو گھولنا اور پھینک مار دینا کوئی بات نہ تھی۔ گھر کے کاروبار میں ادنیٰ ادنیٰ قصوروں پر لکڑی اور کوڑے لگائے جاتے تھے۔ جو اوقات کہ غلاموں کے واسطے خاموش رہنے کے مقرر تھے اگر اُن میں کوئی بولتا یا کھانستا یا چھینک لیتا تو ظالم آقا بڑے کوڑے مارتا بیگم صاحب بنا بنا و سنگار کرتیں اور لونڈی اون کی چوٹی میں بالوں کو بے ترتیب رکھتی تو خوب پٹتی۔ بیگم صاحب کا آئینہ دیکھنا لونڈی پر قہر برپا کرتا تھا۔ غلاموں کے ذرا ذرا اور چالاکی سے کام کرانے کے واسطے کوڑے اور تسمے لٹکے رہتے تھے ادنیٰ ادنیٰ قصور پر تین سو کوڑوں کا لگ جانا تو کوئی بات نہیں تھی۔ بیڑیاں اور زنجیریں اکثر سزا اور قید کرنے کے لئے کام میں آتی تھیں امرا کی ڈیوڑھیوں پر دربان پابہ جولان اسلئے رہتے تھے کہ وہ موجود رہیں کہیں چلے نہ جائیں کچھ اس سے غرض نمود و شان نہیں ہوتی تھی۔ اکثر غلام کھیت کے کاموں میں پابہ زنجیر رہتے تھے۔ بڈھے اور ناکارہ غلام جزیرہ ٹائی بر میں چھوڑ دئے جاتے تھے جہاں وہ بھوکے مرجاتے تھے۔

رومیوں کے ہاں جو وقتاً فوقتاً غلامی کے باب میں قانون پاس ہوئے اُن کے پڑھنے سے بے رحمیوں کا مفصل حال معلوم ہوتا ہے۔ پہلے آقا کو اپنے غلام کی موت حیات اور سزا دینے کا اختیار نامحدود تھا اس کو ہیڈرین اور انٹی اونس نے منسوخ کیا۔

جسٹنین نے یہ قانون مقرر کیا کہ جو شخص غلام کے قتل عمد کا مرتکب ہوگا وہ اس جرم کا مرتکب سمجھا جائیگا کہ اُس نے کسی آزاد آدمی کو مارا ہے۔ مگر یہ قانون خود اُسنے اپنے ایک اور قانون سے منسوخ کر دیا۔ گال کے اضلاع میں آقا جانتے تھے کہ ہم کو اپنے غلام کے مارنے کا اختیار ہے بعض کونسل کلیسا نے غلاموں کے قتل کے انسداد کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو آقا اپنے غلام کو قتل کرے گا وہ ایک مدت کے واسطے کلیسا سے خارج کیا جائیگا۔ کلاسیس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر کوئی آقا اپنے بیمار یا ضعیف غلام کو راہ میں ڈال دیگا تو پھر اُس کا کوئی حق اس غلام پر در صورت صحت یابی نہیں رہے گا اور یہی قانون غلام بچوں کے باب میں تھا پھر یہ قانون جاری ہوا کہ آقا اپنے غلاموں کو حیوانات سے نہ لڑائیں ہیڈرین نے قانون جاری کیا کہ کوئی شخص اپنے غلام کو اُن لوگوں کے ہاتھ نہ بیچنے پائے جو غلاموں کو آپس میں تلواروں سے لڑاتے تھے۔ مگر ہاں جب جج سزا کے لیے یہ حکم دے۔ کلاڈیس کے قانون کے موافق غلام کا قتل کرڈالنا بمنزلہ قتل کے سمجھا جاتا تھا اور غلاموں کے فروخت میں اس امر کی ممانعت تھی کہ وہ اپنے ماں باپ بہن بھائی اولاد سے جدا نہ کئے جائیں غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ ان کی اولاد اور اُن کے درمیان کوئی رشتہ ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ حقوق قانونی اُسکو حاصل ہوں لونڈیونکی اولاد یا کی جگہ سمجھی جاتی تھی۔ بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جرم سمجھا جاتا تھا۔

یہ حال تو رومیوں کا اس حال میں تھا کہ وہ بت پرست تھے۔ اب عیسائی مذہب پھیلا اس نے کو درشتی میں کچھ نرمی کی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کرسکا۔ گو اس مذہب میں سراسر رحم و رافت و شفقت ہی۔ مگر غلاموں پر اُسنے بھی بے رحمی کو جائز رکھا۔

غلامی کے لئے ایک نیا زمانہ آیا جسمیں عیسائیوں کے ہاں اُسنے ایک نیا رنگ اپنا دکھایا یعنی امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا جسسے غلاموں پر ظلم و ستم کا وہی دروازہ عیسائیوں کے ہاتھ سے کھلا جو پہلے مغرب و مشرق میں اُن پر کھل رہا تھا۔ غلامی کا بازار ایسا گرم ہوا

کھال ادھیڑ ڈالنی تو کوئی بات نہیں تھی - پھر یہ ایک اور ستم تھا کہ غلاموں کی تعداد لونڈیوں
کی تعداد سے ایک تہائی کے قریب تھی - خاص ریاستوں میں چھ یا سات سو غلاموں پر
ایک عورت نہیں تھی - پر ان غلاموں کو جو تھوڑی دیر فرصت کام سے ملتی تو بھی انہیں
دو قفلوں میں بند کر دیئے جاتے - کیوبا میں ان غلاموں کی موت دس فیصدی تھی جو
اکٹھے ہوتے تھے - گویا دس سال میں سب غلام مر جاتے تھے - غلاموں کے مرنے میں
آقاؤں کا نقصان اسلیئے نہیں ہوتا تھا کہ وہ اُنسے کام چوبیس گھنٹوں میں تئیس گھنٹے لیتے
تھے کہ اُس کے نفع سے اُن کے مرنے کا نقصان پورا ہو جاتا تھا - دن رات میں صرف
چار گھنٹے کی اجازت سونے کی دیتے تھے - غلاموں کی تعلیم کا حال یہ تھا کہ کیوبا کے پریسیڈنٹ نے
حکم دے رکھا تھا کہ جو غلام کھیت کا کام کرتے ہیں وہ کبھی گرجا میں سوا اصطباغ پانے کے نہ
جائیں جب فصل کٹ چکتی تو خاص آدمیوں کو گرجا میں جانے کی اجازت تھی - مگر کام کے
زمانہ میں ہرگز نہیں +

ہاں یہ سچ ہے کہ بعض آقا رحم دل ایسے ہوتے ہیں کہ وہ غلاموں کو اپنا عزیز بھائی بنا
سمجھتے ہیں اور لطف و کرم سے پیش آتے ہیں اور کسی طرح کی سختی نہیں کرتے ہیں مگر اُس سے
اُس قاعدہ کلیہ میں فرق نہیں آتا کہ غلاموں پر بحیثیت مجموعی سختی و درشتی جور و
ظلم بہت ہوتا تھا -

خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ میں غلاموں کے کھانے پینے اور بود و باش کی خبر گیری ایسی کی
جاتی تھی جیسی اور اہلی جانوروں و مویشی کی - غلاموں کے مالکوں کا دل سخت بہ نسبت
اور آدمیوں کے ہوتا تھا -

غلاموں کی تجارت عیسائیوں نے اس خیال سے شروع کی کہ ہم اُن کو عیسائی بنائینگے
اور اُن کی قیمت کے روپیہ کے عوض میں اُن سے کام لینگے - مگر رفتہ رفتہ غلام تو ایک گھریلو
مال کی ہو گئے اور ایک جاندار سے بے جان چیز بن گئے جو بکتے پھرتے تھے -

قوموں کو بھی ترقی پر پہنچا سکتے ہیں تہذیب اور شائستگی کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ حکومت وہی ہے جسمیں آسانی ہو۔ اب آقاؤں کو تمام غلاموں کے کل کاموں کا ذمہ اوپر لینا اور ان پر سخت جابرانہ حکومت رکھنی دشوار ہے۔ کیا ضرور ہے کہ جانوروں کی طرح آدمیوں کے سارے کاموں کو اپنے ذمے لیں اگر ہم جانوروں کو موٹا تازہ کرنا چاہیں تو جو اُن میں فطرتی قابلیتیں ہیں اُن میں آزادی دیں پس اگر کوئی اعلیٰ قوم ادنیٰ قوم کو قوی کرنا چاہتی ہے تو اُن کو آزادی جو انسان کی ایک فطرتی خاصیت ہے عطا کرے۔ غرض غلام کوئی کام نہیں کرتے جو اُن سے اچھی طرح دوسرے طور پر نہ حاصل ہو سکے۔ اسلئے نہ آقاؤں کو غلاموں کی ضرورت ہے نہ غلاموں کو آقاؤں کی حاجت ہے۔

غلامی کے باب میں مذہبی احکام

جو لوگ غلامی کو اچھا جانتے ہیں اور اُس کے باقی رکھنے کے طرفدار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر غلامی کوئی بداخلاقی ہوتی تو مذہب میں سخت ممانعت ہوتی۔ اب بجائے ممانعت کے اُس کی اجازت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بدکاری نہیں اگر غلامی کا حامی مذہب ہو تو پھر اُسکے طرفداروں کو وہ قلعہ استوار ہاتھ لگتا ہے کہ جس میں سے نکالنا کسی ہتیار سے سخت دشوار کیا بلکہ محال ہے۔ پھر اُس کے مخالف ایسی مشکلات کی غلامی میں پھنستے ہیں کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اُسکے باب میں الہام ربانی کیا ارشاد فرماتا ہے۔ انبیا کے افعال و اعمال کیا ہدایت کرتے ہیں قدیم اور حال کے زمانے کے عقلا و حکما کیا حکم دیتے ہیں کیونکہ یہی تینوں باتیں خاص کر پہلی بات انسانوں کے دلوں کی بڑی فرماں روا اور کارفرما ہیں +

یہ باتیں ہم کو ضرور یاد رکھنی چاہئیں اول یہ کہ ہمیشہ سے ایک الہام دوسرے الہام کو بدلتا آیا ہے اور انسان کی عقل و دانش کے موافق احکام دیتا رہا ہے۔ دوم یہ کہ کچھ ضرور نہیں کہ صاحب الہام کی رائے و خیالات تمام معاملات دنیا میں یقینی صحیح اور قطعی درست سمجھی جائیں

خریدنے سے اُن کے قبضے میں آتے تھے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہوں۔ یہودیوں کی شرع کے موافق اُن کو بہت سے استحقاق حاصل ہوتے تھے۔ وہ خدا کی عبادت میں سب ساتھ شریک ہوتے تھے۔ وہ تمام قومی اور خاندانوں کے تہواروں اور دعوتوں میں شریک ہوتے تھے۔ اخلاق اور مذہب میں اون کی تعلیم ہوتی تھی۔ جو اُن کی مدت غلامی ہوتی اُس سے وہ آدھی مدت کے بعد آزاد ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے خادموں کی شرعًا و قانونًا وہی حفاظت ہوتی تھی جو اُن کے آقاؤں کی۔ دینی اور دنیاوی حقوق سب کے برابر ہوتے تھے اُن کے غلاموں کو اپنے آقاؤں کے بدلنے کا اختیار تھا۔ اور اپنی مرضی کے موافق اُن کو اپنے تئیں محفوظ کرنے کا اختیار تھا۔ اگر اُن کے آقاؤں پر سختی و تشدد کر کے ضرر پہنچاتے تو وہ اپنے عہود سے بری الذمہ ہوجاتے عبرانیوں کے ہاں مدت غلامی چھہ سال تھی اوس کے بعد وہ غلامی میں نہیں رکھے جاسکتے تھے۔ بشرطیکہ وہ کوئی دوسرا عہد و اقرار غلامی نہ کرتے۔ اور جو غیر قوموں کے غلام ہوتے تھے اور جنپر یہودی بہت اختیار رکھتے تھے وہ قطعی جیوبلی کے روز سب آزاد ہوجاتے تھے (جیوبلی پچاسویں سال ہوتی تھی)

اب عیسائی جو استدلال غلامی کے باقی رکھنے کا عہد عتیق سے کرتے ہیں وہ اپنے غلاموں کی حالت کو ملا کر دیکھیں کہ کوئی بات بھی اُن کی نہیں ملتی۔ اب انجیل کو دیکھئے کہ اس میں صاف لکھا ہے کہ تو وہ ہمسایہ کے ساتھہ سلوک کر جو تو ہمسایہ سے چاہتا ہے کہ وہ تیرے ساتھہ کرے۔ اب کوئی عیسائیوں سے جو غلاموں کے مالک ہیں پوچھے کہ غلام جو تمہارے سایہ میں ہمیشہ رہتے ہیں تمہارے ہمسایہ ہونے سے خارج ہیں جو تم اُن کے ساتھہ خلاف حکم انجیل سلوک کرتے ہو۔ غرض نہ عہد عتیق نہ عہد جدید عیسائیوں کو غلاموں کو اس طرح سے رکھنے کی اجازت دیتے ہیں جسطرح وہ رکھتے ہیں انبیا کے اقوال کی اور کلام ربانی کی شہادت اُس مروج غلامی کی حمایت میں پیش نہیں ہوسکتی۔ اب

دوسری بات یہ ہے کہ متقدمین اور عقلا نے اُس کو روا رکھا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اُس زمانہ کی عادات اور تعصبات نے ان کی آنکھوں کے آگے ایسی اوجھل کر رکھی تھی کہ آنکھوں کی تیز نگاہی کو مانع تھی۔ تنکے اوجھل پہاڑ اوجھل۔ مروج غلامی کو تو انہوں نے بالاتفاق روا نہیں رکھا۔ ہاں یونانیوں کے ہاں وہ غلامی جائز تھی جو بالفعل ہے وہ اُس کو قانون قدرت کے موافق بھی اور اپنے قانون کے موافق بھی جانتے تھے اور انسانوں کی نسلوں میں تفریق آزادی اور غلامی کی کرتے تھے۔ رومیوں کے ہاں غلامی قانون قدرت کے خلاف سمجھے جاتے تھے مگر ملکی قوانین کے موافق جائز تھی بڑے بڑے رومی عاقل بادشاہوں نے یہ چاہا کہ غلامی کی سختی کو دور کریں جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بہت سے رومی عقلا نے غلاموں پر سختی کا بیان کیا ہے اور اُس کو ناروا اور ناجائز جانا ہے سنیکا غلامی کا بڑا مخالف تھا۔ آگسٹس نے تو قانون غلاموں پر حد اختیارات کا بنا دیا تھا۔ غرض رومیوں اور یونانیوں میں جس طرح کی غلامی تھی وہ اُن کے حسن اخلاق کو داغ لگاتی ہے۔ اس زمانہ کا عاقل کوئی اس بنا پر کہ پہلے عاقلوں نے غلامی کو جائز سمجھا ہے غلامی کو روا نہیں رکھے گا۔ اس زمانہ کے عقلا نے خوب تحقیق کر لیا کہ غلامی ایک بڑے درجہ کی بداخلاقی انسان کے حق میں مضر ہے۔ اسلئے اُس کے استیصال میں جو کوششیں انہوں نے کیں اُن کا آیندہ بیان ہوگا۔ جو اعلیٰ درجہ کے عاقل حکیم و الاخرد اس زمانہ میں ہیں وہ غلامی کے طرفدار نہیں۔ غرض ہم نے تینوں باتوں کا جواب لکھ کر بہت ثابت کر دیا کہ غلامی کی حمایت اب نہیں ہو سکتی +

غلامی جیسے غلاموں کے حق میں مضر ہے ایسی آقاؤں کے حق میں

دولت سلطنت کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ نہ وہ سونے میں نہ لوہے میں نہ کثرت آبادی میں نہ زمین کی شادابی میں نہ وسعت مملکت میں نہ عاقلانہ قوانین میں ہے بلکہ وہ غریب مزدوروں اور عوام الناس کثیر کی خوشحالی اور چین اور آرام میں ہے۔ دولت سلطنت

جاتی ہے کہ غرض جو حبشیوں کی نالایقی بیان کی جاتی ہے - وہ ان کی نسل میں
نہیں ہے۔ بلکہ ان کی حالت نے ان میں پیدا کی ہے - اگر حبشیوں کو ان کے اپنے ملک میں آزادی
کی حالت میں دیکھو تو ان میں سب کاموں میں وہ لیاقتیں معلوم ہوتی ہیں جو شائستہ
قوموں میں ہوتی ہیں ان کے مکان انکی تعلیم - ان کی سپاہ ان کے لڑنے کے طریقے
ان کی ہنگامہ آرائیاں سب مہذب قوموں سے ملتی جلتی ہیں - اگر حبشی قومیں اہل یورپ
کی قوموں کی سی شائستہ و مہذب نہیں ہیں اور مثل ان کے خود ایجاد و اختراع کی
قابلیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ مقلد ہیں تو شائستگی اور تہذیب کا یہ اقتضا ہے کہ ان
تقلیدی بھائیوں کی تائید کرنی چاہیے جس سے نیک اخلاق کے اظہار کا موقع ملے
گو حبشی کالے رنگ کے ہوں مگر اہل یورپ کے گورے رنگوں کی برابر شائستہ و مہذب
ہو سکتے ہیں۔ بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں جو اس اوپر کے بیان کی تصدیق کرتے
ہیں۔ بعض معترض یہ کہتے ہیں کہ گورے اور کالے رنگ کی قوموں کی فطرت میں ایک
فرق ہے وہ ان خاص مثالوں اور مستثنیٰ صورتوں سے نہیں مٹتا - مگر تمام سائنٹفک تحقیقات
اسکے خلاف شہادت دیتی ہے محققین حق شناس کا پلہ اسی طرف بھاری ہے کہ انسان
کی فطرت سب قوموں میں ایک ہی سی ہے - قوائے ظاہری اور باطنی خدا تعالیٰ نے سب کو
ایک قسم کی دیے ہیں اب جو ان میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے وہ وطن کی آب و ہوا -
غذا طرز بود و باش و پرورش اور خارجی حالتوں سے ہوتا ہے - غرض یہ خیال کہ حبشی
یا کسی قوم کی فطرت میں غلامی داخل ہوتی ہے غلط ہے - یہ ظاہری فرق کھال کی کالا
اور سفید ہونا دل و دماغ میں فرق نہیں پیدا کر سکتا وہ سب انسانوں میں یکساں ہے
غرض حبشیوں میں مثل اور قوموں کے شخصی اور قومی قابلیتیں ہیں اور وہ شائستہ
اور مہذب اسی طرح ہو سکتی ہیں جیسی اور قومیں ہوئی ہیں جیسا کہ جرمی ٹیلر صاحب شریر کو پھانسی
آدمی کو جاتے ہوئے دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ میرا نفس جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہم

[illegible]

تجارت کو موقوف کرنے میں ہوئی اور پہر غلاموں کے دور کرنے میں سنہ ۱۸۰۷ء میں غلاموں کی تجارت
کے موقوف ہونے کے واسطے مقرر ہوئی اسمیں سب سے زیادہ سرگرم آوردہ ولیم ولبر فورس صاحب تھے
جنکی نیک نامی ہمیشہ یادگار رہیگی۔ ان کی تائید وزیر اعظم پٹ صاحب نے بھی فرمائی۔ مگر ولیم ولبرفورس
صاحب نے جو مسودہ اس تجارت کے موقوفی کے باب میں بنایا وہ سنہ ۱۷۹۱ء میں کہو گیا۔ مگر انگلستان کی
قسمت میں یہ نیکنامی لکھی ہوئی ہے۔ کہ وہ اس رحم دلی اور فیاضی اور انسانیت کا کام کرکے دنیا
میں ہمیشہ نیکنام رہے۔ اسلئے کوشش برابر اس موذی تجارت کے موقوف نہیں قائم رہی۔ بیچ
میں اسکے بہت سے صورتیں پیش آئیں سنہ ۱۸۰۷ء میں غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف
ہوئی مگر بعض پاجی کمینہ طبیعت انگریزوں نے اس تجارت کو نہ چھوڑا اور پرتگیزوں کے جہنڈے
کی آڑ میں اس تجارت کو جاری رکھا۔ سنہ ۱۸۱۱ء میں یہ قانون جاری ہوا کہ غلاموں کی تجارت
سنگین جرم سمجھا جاوے اور اسکی سزا چودہ برس کی قید مع جلاء وطنی کے یا تین برس سے پانچ برس
تک قید مع مشقت شاقہ دیجاوے اور سنہ ۱۸۲۴ء میں ایک اور قانون پاس ہوا کہ سبھی غلاموں
کی تجارت بحری ٹہگی قرار پائی جسکی سزا حبس دوام مع جلاء وطنی کے تھی۔ غرض جب
ایسی کوششوں سے غلامی کی تجارت انگریزی عملداری سے اٹھ گئی تو اس کے بعد
فیاض اور خیرخواہ خلائق انگریزوں کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جو بالفعل غلام ہیں وہ
بھی آزاد کرائے جائیں غرض اسمیں بھی سعی اور کوشش انکی کامیاب ہوئی اور بیس کروڑ روپیہ
مالکوں کو دیکر انکے غلاموں کو آزاد کرایا۔ پھر اہل انگلستان کی ترغیب سے ساری مہذب قوموں
نے بھی غلامی کو موقوف اور حال کے غلاموں کو آزاد کیا پولیٹکل اکونومی کے اصول
کے موافق جو اس آزادی سے قومی دولت کی ترقی ہوتی ہے وہ غلامی سے نہیں یہ عقل کا
کام تھا کہ جسنے مذہب سے زیادہ انسان کو ایسا مہذب و شائستہ بنایا کہ وہ غلاموں کے بنانے
اور رکھنے کو سخت بد افعالی جاننے لگا فقط تمت

۲ - اگست سنہ ۱۸۹۱ء

[illegible]

[illegible] ان کے پاؤں کے تلے [illegible] مستحکم و استوار ہو گئے [illegible]

[illegible] اسلئے [illegible] انہوں [illegible]

[illegible] مقرر کرلی اور [illegible] انہوں [illegible] مضامین کو [illegible]

[illegible] دیکھا کہ [illegible] رسالی [illegible] اُن کو [illegible] چھوڑ دیا

[illegible] کشتی [illegible]

[illegible] مگر [illegible] ایسا [illegible]

[illegible] کوئی مضمون [illegible]

[illegible] بیان کیا [illegible] توجہ کی [illegible]

[illegible]

[illegible] مضامین کے [illegible]

انتخاب کی [illegible] خطا ہو یا [illegible]

یا حبیب والسلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نامہ رسالہ اخلاق [illegible] پڑھنے سے پہلے اس غلط نامہ کے موافق کتاب صحیح کر لینی چاہیئے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١	٩	آنکہو	آنکھوں	٢	١	شاہل	نااہل
٣	٢	جاسے زیادہ	سب سے زیادہ	٧	١	کرین آیتن	کرے وآتی
١٧	١٣	دنل	دخل	٢٣	٣	اعتبار	اس اعتبار
٣١	٢١	ہے	تھی	٣٢	١٣	بیان سکے	بیان کرکے
٤٠	٧	ملانے	ہلانے	٤١	١	کتاے	کتابے
٤١	٩	قطع وفضل	قطع وفصل	٤٩	١٨	پاجی	باجے
٥٣	١	نازنین	نازنین کو	٥٦	١٢	ہوجاے	ہوجاتا ہے
٧٩	١٤	دنیاکی	دنیا	٨٦	٨	لنسے	ایسے
٩٤	٨	برطا	بُرا	١٠٣	١٤	خفیف	خفت

[illegible]

تہذیب الاخلاق

[illegible]

مبادی الانشا حصہ اول

[illegible]

ہماروں کی ترکیبیں معلوم ہو جائیں وغیرہ وغیرہ کی عبارتیں عیب و صواب جانچنے کی لیاقت پیدا ہو جائے
علم بیان میں استعارات تشبیہات وغیرہ کا بیان لکھا گیا ہے جس سے طالب علموں کو معلوم ہو کہ انکو کیونکر استعمال کرتے
(۴) پیرا فریز جسکو ترجمہ کرنا کہتے ہیں اُس کے قواعد ہیں کہ طالب علموں کو اوس کی نظم و نثر کا بیان کرنا اپنی
میں اسطرح آ جائے کہ عبارت بدل جائے اور مضمون میں فرق نہ آئے۔ (۵) خطوط نویسی کے آئین و قوانین و طرز عبارت
(۶) مضامین بیانیہ کے قواعد کہ جن سے طالب علموں کو ایسے مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں کسی شے کے حالات بیان ہوں
(۷) مضامین تاریخیہ کے قواعد کہ جن سے طالب علموں کو تاریخی واقعات اور انکے اسباب و نتائج کا بیان کرنا آئے۔
(۸) مضامین استدلالیہ کے قواعد جن سے وہ مضامین لکھنے آئیں کہ جنمیں دلائل منطقی اور براہین حکمیہ سے کام لیکر
اور کسی امر کی نسبت دلائل موافق و مخالف کو یکجا کر کے نتائج نکالے جاتے ہیں +

قیمت ۸ — **مبادی الانشا حصہ دوم** — محصول

(۱) تمہید میں انشا پردازی کی تعریف و طرز ادائے سخن کا بیان (۲) علم معانی کا بیان جس قدر اردو زبان سے متعلق ہے
(۳) علم بدیع کا بیان ایک نئے طرز سے لکھا ہے کہ صنائع و بدائع کو کیونکر کام میں لانا چاہیے صنائع جو مشہور ہیں کیونکر
اور کہاں استعمال کرنے چاہئیں اور بعض صنائع جدید لکھی ہیں (۴) قوت بیانیہ و قوت فہم سخن کیونکر ترقی پاتی ہے
(۵) مذاق سخن و امتیاز سخن کا بیان اور کتابوں کے پڑھنے کے لئے ہدایتیں کہ کیونکر پڑھنا چاہیے اور اُن
کے برے بھلے پرکھنے کے طریقے +

مضامین تاریخیہ و بیانیہ و استدلالیہ کی مثالیں لکھی ہیں۔
(۶) اوضاع و اطوار لکھنے کے مظاہر قدرت و نیچر کے عجائب و آثار و پیداوار کے بیان کرنے کے فضائل و
اخلاق بیان کرنے کے قواعد لکھے ہیں اور اُن کی توضیح مضامین لکھ کر کی ہے + (۷) آدمیوں کی
[illegible] حال لکھنے کے قواعد +
(۸) ہجو و ظرافت کے مضامین لکھنے کے طریقے۔ قاعدے کے ساتھ اُنکی مثالیں لکھی ہیں
غرض اُن دو حصوں کے پڑھنے سے اصول انشا پردازی سے مڈل اسکولوں کے طالب علموں کو
ایسی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر ایک مضمون آسان آسان جیسے اُن کے امتحانوں میں
آتے ہیں باقاعدہ لکھ سکیں گے +

محمد عطاء اللہ
دہلی چیلوں کا کوچہ